خطباتِ حفیظ

ہم اللہ کو کیوں مانیں؟

سیّد عبد الحفیظ شاہ

بیت المکرم ٹرسٹ گجو

THIS BOOK BELONGS TO THE LIBRARY OF

DR. SYED RASHID ALI
BAIT UL MUKARRAM

DATE	
REF. NO.	
LOCATION	
SUBJECT	

خطباتِ حفیظ

ہم اللہ کو کیوں مانیں؟

سیّد عبدالحفیظ شاہ

بیت المکرم ٹرسٹ گجو

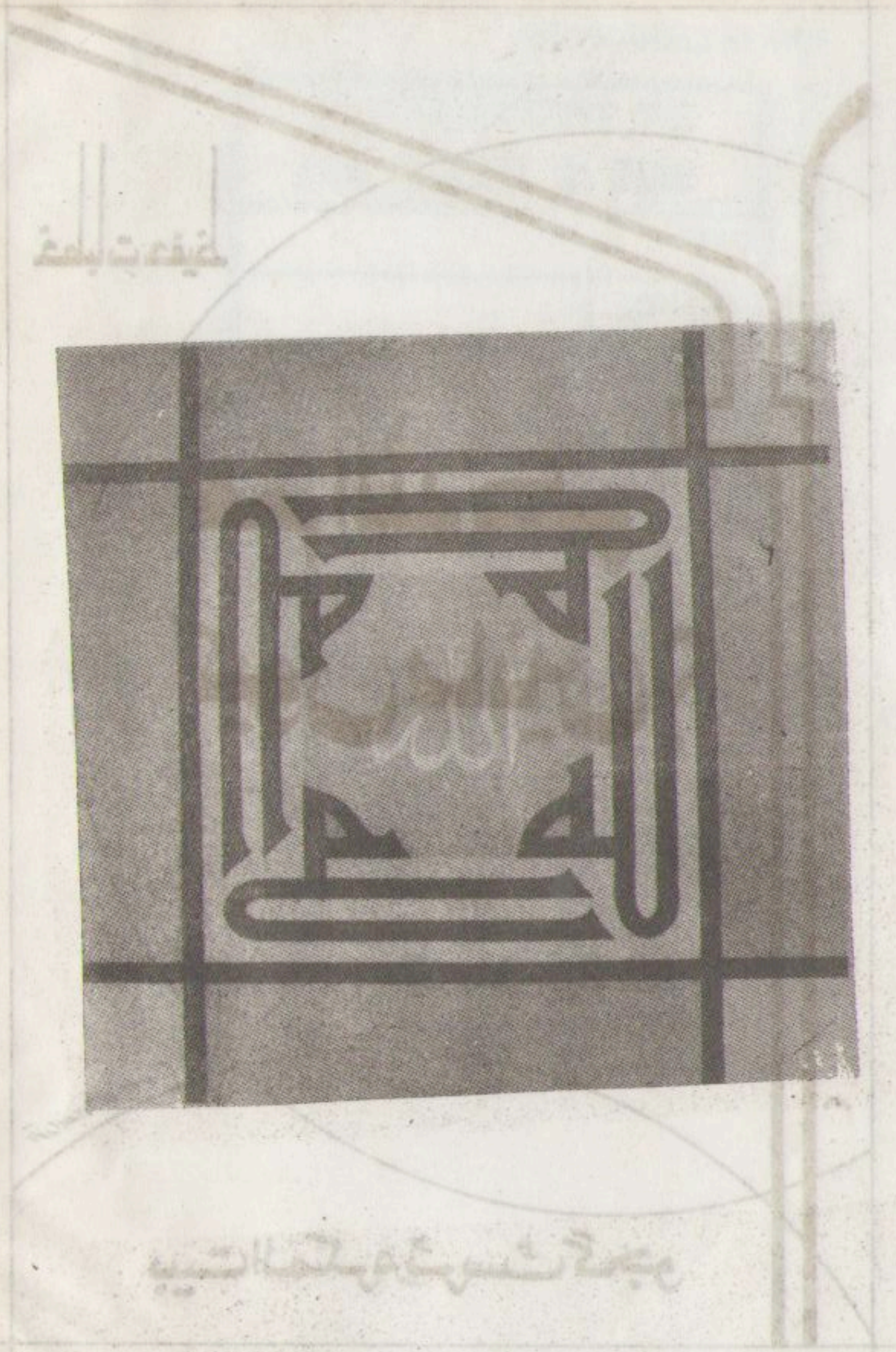

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

ہم اللہ کو کیوں مانیں؟

ملفوظات

سید عبد الحفیظ شاہ

ناشر

بیت المکرم ٹرسٹ گجو (ٹھٹھہ)

جملہ حقوق محفوظ ہیں!

نام کتاب: ہم اللہ کو کیوں مانیں؟
ملفوظات: سید عبد الحفیظ شاہ مدظلہم العالی
اشاعت: اگست ۱۹۸۴ء
طبع دوم: دو ہزار
کتابت: مظفر حسین
مطبع: طابع ثمیر پرنٹرز، دیاآباد، کراچی
ہدیہ: دعائے خیر
سعی و اہتمام: نام ظاہر کرنے سے معذرت چاہی ہے، دعائے خیر کے طالب ہیں
ناشر: بیت المکرم ٹرسٹ گجو ضلع ٹھٹھہ۔

فہرست مندرجات

۱- دعا
۲- تاثرات
۳- پیش لفظ
۴- سوال نمبر ۱:- ہم اللہ کو کیوں مانیں اور اس کی ہمیں کیا ضرورت ہے؟ ۲۰
۵- سوال نمبر ۲:- کیا واقعی انسان مر جاتا ہے اور مرنے کے بعد کلیتاً ختم ہو جاتا ہے؟ ۳۳
۶- سوال نمبر ۳:- کیا انسانی عمل کو سزا و جزا دنیا و آخرت میں نہیں ہے اور اگر ہے تو ہم کس طرح یقین کریں؟ ۳۷
۷- سوال نمبر ۴:- رُوح بالذات کیا ہے جسم اور رُوح کا کیا تعلق ہے؟ انسان اور عالمِ برزخ- ۴۴
۸- سوال نمبر ۵:- تعریف ایمان۔ کیفیتِ ایمان کیونکر حاصل ہو سکتی ہے- ۶۷

۹- سوال نمبر۶:- سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مبارکہ کو ہم کس طرح
مانیں، پہچانیں کہ واطیعو اللہ اور واطیعو الرسولؐ کے مشروط مقاصد
حاصل ہوسکیں۔؟ ۷۳
۱۰- سوال نمبر۷:- خیر اور شر اللہ ہی کی طرف سے ہے تو بندہ موردِ الزام کیوں ہے؟ ۱۳۷
۱۱- سوال نمبر۸:- موت کے بعد اجسام کی حالت۔ ایک شبہ کا ازالہ - ۱۴۶
۱۲- سوال نمبر۹:- کیا روحیں مرتی ہیں؟ ۱۵۷
۱۳- سوال نمبر۱۰:- اجسام سے جدا ہونے کے بعد روحیں کس طرح پہچانی جاتی ہیں؟ ۱۶۱

۱۴- سوال نمبر۱۱:- مرنے کے بعد روحیں ایصالِ ثواب سے مستفیض ہوتی ہیں
یا نہیں۔؟ ۱۶۳
۱۵- سوال نمبر۱۲- کیا مرنے کے بعد روحیں دنیا والوں کے حالات کا علم رکھتی ہیں
اور ان کے گھروں میں آتی جاتی ہیں۔؟ ۱۶۸
۱۶- سوال نمبر۱۳:- کیا مرنے کے بعد روحیں دنیا والوں کو نفع و نقصان پہنچا سکتی ہیں؟ ۱۷۳
۱۷- سوال نمبر۱۴:- اولادِ آدم کا ایک ہی مذہب ہونا چاہیئے تھا۔ مختلف مذاہب اور
فرقہ بندی کیوں۔؟ ۱۷۸
۱۸- سوال نمبر۱۵:- ہم اللہ کو کیسے راضی کریں۔؟ ۱۸۸

دُعا

اے میرے رب، اے میرے مالک تو ہی اس کائنات کا پیدا کرنے والا ہے تیری ہی آرزو سچّی ہے تو ہی رات کو دن سے نکالتا ہے اور تو ہی دن کو رات میں داخل کرتا ہے تیری تعریف سب سے بہتر ہے ہر چیز تیری تسبیح کرتی ہے۔

اے میرے مالک میری زبان عاجز ہے میرا قلم کمزور ہے یہ جو کچھ میں نے تیری خوشنودی اور تیری رضا کے لئے تحریر کرایا ہے یا اللہ اسے اپنے بندوں کے دلوں میں اتار دے انہیں ایمان کی دولت سے سرفراز فرما اور انہیں طمانیتِ قلب عطا کر۔

یا اللہ

میں عاصی ہوں کمزور ہوں ناتواں ہوں مجھ سے دورانِ گفتگو یا ان خطبات کو تحریر کرتے وقت اگر ڈاکٹر عابد احمد شیخ سے کوئی کوتاہی کوئی غلطی عمداً یا سہواً ہو گئی ہو تو اسے اپنے حبیب سردرِ کائنات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے میں درگزر فرما۔

میرے مولا

اس راہ میں مجھ سے تعاون کرنے والوں اور اس راہ میں میرے ساتھ تیری رضا کے لئے چلنے والوں کے درجات دین و دنیا میں بلند فرما ان کو نیکی کی توفیق عطا فرما۔ ان کو شیطان کے وسوسے سے محفوظ رکھ ان کے دلوں کو نورِ ہدایت سے منوّر فرما اور ان کو اپنی پناہ میں رکھ۔

اے میرے رب تو رحیم و کریم ہے اس کام کی تکمیل میں شوکت علی ابڑو۔ غلام حسین اور ڈاکٹر عابد احمد شیخ نے خصوصی طور پر مجھ سے تعاون کیا ہے اللہ تعالیٰ ان کو اجرِ عظیم عطا فرماتے۔ گجو، کوٹری، نواب شاہ، حیدرآباد، بوبک، گوٹھ غلام نبی ڈاھری، سرھاری اور کراچی میں میرے احباب دوستوں اور راہ خدا میں نکلنے والوں نے دورانِ گفتگو مجھ سے جو سوالات کئے اسی سے میرے ذہن میں جو جوابات ابھرے وہ کتاب کی شکل میں احباب نے آپ کے سامنے پیش کر دیتے ہیں اللہ تعالیٰ اس کوشش کو قبول فرمائے۔

جو حضرات ان مجالس میں شریک ہوتے ان کے نام یہاں لکھنے کے لئے ایک دفتر درکار ہوگا لیکن وہ حضرات جنھوں نے سوالات کئے ان میں کوٹری کے چاچا غلام رسول، ڈاکٹر عبد الحفیظ میمن، جناب عبد الحیٰ ایڈوکیٹ، جناب صاحب ڈنو ایس ای۔

جناب عبدالکریم ایڈووکیٹ، جناب ظفر علی شاہ کاظمی ڈائریکٹر آف سندھ میوزیم حیدرآباد، جام مراد علی، حاجی خان محمد عباسی، نواب شاہ کے عبدالمجید بروہی، ڈاکٹر شمس رضا، ڈاکٹر محمد رضا، جناب ظہیر میمن اور نواب شاہ ڈگری کالج کے طلبا۔ وغیرہ۔ حیدرآباد کے احد یوسف اور ان کی بیگم۔ یو بک کے ڈاکٹر گل محمد صاحب، حکیم عبداللطیف صاحب۔ گوٹھ غلام نبی ڈاہری کے جناب غلام نبی ڈاہری صاحب، جناب ڈاکٹر غلام حسین زرداری، ڈاکٹر امیر حمزہ صاحب مولوی محمد صیفل صاحب، استاد محمد بادل، جو کھیو سرباری کے ڈاکٹر عبداللہ مشوری صاحب۔ کراچی کے سیّد محمد طاہر صاحب جناب سلیم یزدانی صاحب، ضمیر مرزا، محمد ادریس خان آفریدی، جناب غلام نبی جوکھیو حفیظی، اور ظفر اقبال صاحب اور بہت سے۔ آخر میں میری یہ دُعا ہے کہ ان خطبات کو تکمیل کی منزل تک پہنچانے میں جس نے بھی ذرا سا بھی تعاون کیا ہے اللہ تعالیٰ اُسے منزلِ مراد تک پہنچائے۔

(آمین ثم آمین)

فقیر خادم۔ سید عبدالحفیظ شاہ۔ گجو

تاثرات

آج کل کے مشینی دور میں لوگوں کے ذہنوں میں عجیب عجیب سوال ابھرتے ہیں ایسے سوال دراصل دین سے وابستگی نہ ہونے کا سبب ہیں۔ حضرت مولانا سیّد عبدالحفیظ شاہ (اللہ ان کی عمر دراز کرے) ظاہری اور باطنی دونوں علوم میں مہارت رکھتے ہیں آپ نے دنیا کو بہت قریب سے دیکھا ہے اور لوگوں کو اور اُن کے حالات کو پرکھا ہے۔ دور و نزدیک کے واقعات کو آپ نے دل کی آنکھوں سے پہچانا ہے۔ اسی لئے عوام و خواص سب کے فائدہ کے لئے ایسے سوالات کے جوابات تیار کئے ہیں۔

امید ہے کہ آپ کے جوابات ہر طرح سے کافی و شافی ہوں گے اور خصوصاً نئے ذہنوں کی اصلاح کے لئے مفید ثابت ہوں گے۔ انشاء اللہ۔

اللہ تبارک تعالیٰ سے دلی دعا ہے کہ حضرت موصوف کو سلامت باکرامت رکھ اور لوگوں کو زیادہ سے زیادہ آپ

سے مستفیض ہونے کی سعادت عطا فرمائے۔ آمین۔

احقر غلام مصطفےٰ خاں

دستخط۔

(پروفیسر غلام مصطفےٰ خان)

ایم اے۔ ایل ایل بی۔ پی ایچ ڈی۔ ڈی لٹ

اولڈ کیمپس سندھ یونیورسٹی۔ حیدرآباد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ حق حمدہٗ والصلوٰۃ والسلام علیٰ من لا نبی بعدہٗ افضل الحق خاتم النبیین علیہ وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ اجمعین

موجودہ دور میں سائنس اور ٹیکنالوجی نے عالم انسانیت کو جو سہولتیں اور آسانیاں بہم پہنچائی ہیں وہاں "وابستہ میری ذات سے کچھ تلخیاں بھی ہیں" کے مصداق ہم سے بہت سی خوبیوں کو چھینا بھی ہے اُن میں سے ایک صفت قوتِ حفظ بھی ہے ماضی میں ہم جو کچھ سنتے تھے وہ نقش کالحجر ہوجاتا تھا لیکن اب کیا عالم ہے اس پر تبصرہ سیر حاصل ہے۔

تفصیلات سے حرفِ نظر کرتے ہوئے صرف اتنا ہی عرض کروں کہ گذشتہ دور میں اولیائے کرام کی صحبت سے استفادہ کرنے والوں نے ان کے ملفوظات کو سُن کر اُن کو صفحات قرطاس پر منتقل کیا اور آج بہت سے بزرگوں کے ملفوظات استفادہ کے لئے موجود ہیں۔ میرے زیر نظر اس وقت ایک ایسے بزرگ کے ملفوظات ہیں جن سے نہ تو میری ملاقات ہے نہ ان کے بارے میں معلومات ہیں۔ لیکن یہ صفحات خود اُن کا تعارف ہیں جن

کا مطالعہ اُن کے علم اور ذوقِ نظر کا آئینہ دار ہے۔

اِن صفحات کے سرسری مطالعہ سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ موصوف نے اِن مسائل کا کس حسنِ خوبی کے ساتھ تجزیہ کیا ہے۔ ان صفحات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ موصوف نے ہر مسئلہ کو تصوف کی روشنی میں حل کرنے کی کوشش کی ہے اور موصوف نے اس سلسلہ میں کتنی کامیابی حاصل کی ہے۔ اس کا اندازہ صاحبانِ علم و بصیرت ہی لگا سکتے ہیں اور بقول سعدیؔ شیرازی ؎

مشک آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطار بگوید

صاحبِ ملفوظات نے ان مشکل اور ادق موضوعات پر جس سادگی اور برجستگی کے ساتھ روشنی ڈالی ہے وہ ان کے تبحر علمی کے غماز ہیں۔ اندازِ بیان کی سادگی کے ساتھ موصوف نے اس بات کو مدِ نظر رکھا ہے کہ ایسے الفاظ استعمال کریں جس سے قارئین کو نفسِ موضوع سے پوری طرح استفادہ کا موقع میسّر ہو۔ موجودہ دور میں ضرورت اس امر کی ہے کہ ہماری نوجوان نسل کی نشو و نما اور ان کی تربیّت اس انداز سے کی جائے کہ وہ اسلامی اقدار سے واقفیت حاصل کر کے اس پر عمل پیرا ہوں۔

محسنِ انسانیت نبی اکرم ہادیٔ اعظم صلی اللہ علیہ وسلّم کی

ذاتِ اقدس سے محبت و عقیدت مسلمان کا طرۂ امتیاز ہی نہیں وسیلہ نجات بھی ہے جو شخص مدعی اسلام تو ہے لیکن عظمتِ نبوی کے اظہار میں بخل سے کام لیتا ہے بلکہ بقول نکتہ چینی اور آپ کی ذاتِ اقدس میں نقص کا متلاشی ہوتا ہے کبھی علمِ نبوی اپنے علوم کی طرح محدود سمجھتا ہے، کبھی معجزات کا انکار کرتا ہے ایسا شخص اپنے دعویٰ اسلام میں کس قدر سچّا ہے اس کے بارے میں مجھے کچھ نہیں کہنا ان ملفوظات کا مطالعہ قاری کی تسلّی کے لئے کافی و شافی ہوگا۔ محترمی سیّد عبدالحفیظ صاحب نے ایسے بہت سے موضوعات پر روشنی ڈالی ہے، اس کے علاوہ مسئلہ قیامِ میلاد، علمِ غیبِ نبوی اور مسئلہ حاضر و ناظر پر بھی اظہارِ خیال فرمایا ہے۔

توجہ طلب بات یہ ہے کہ موجودہ معاشرے میں جن مسائل کو اختلافی کہا جاتا ہے اگر اُن کے بارے میں مثبت انداز میں سوچا جائے تو کوئی اعتراض باقی نہیں رہتا اور ہر موضوع کو اس طرح سمجھایا جائے جس طرح سیّد صاحب نے کامیاب کوشش فرمائی ہے تو نہایت ہی مفید اثرات مرتّب ہوں گے اور یہ اعتراض ختم ہو جائے گا کہ علماء تو خود باہم دست و گریباں ہیں ہم کس کی بات مانیں، اسی طرح یہ بات بھی مدِ نظر رکھنا ضروری ہے کہ یہ مزعومہ تصوف

افیون کی گولی کی طرح ہے جو لوگوں کو نشہ کی عادت ڈالتی ہے اگر حقیقتِ حال کو سمجھا جاتے تو یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ احکامِ شریعت سے اللہ تعالیٰ کے احکام سے واقفیت حاصل ہوتی ہے اور تصوّف خداشناسی اور خودشناسی سکھاتا ہے یہ دونوں ایک دوسرے کے لئے لازم ملزوم ہیں شریعت کے بغیر تصوف کی منازل تک رسائی حاصل نہیں ہوتی اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں طریقت کی منزل پر شریعت کے بغیر پہنچ سکتا ہوں تو وہ درست نہیں کہتا کیونکہ غیر ممکن ہے کہ چڑھے چھت پر زینہ چھوڑ کر۔

مصروفیات اس بات کی اجازت نہیں دیتیں کہ میں ان ملفوظات میں سے ہر موضوع پر موصوف کے اندازِ بیاں اور طرزِ استدلال پر تبصرہ کروں۔ سرسری مطالعہ سے صرف اتنا ہی کہہ سکتا ہوں کہ سیّد صاحب موصوف نے جس حسنِ نیت کے ساتھ اس اہم اور ضروری کام کو انجام دیا ہے وہ وقت کی ایک اہم ضرورت ہے اللہ تعالیٰ اپنے حبیبِ مکرّم صلی اللہ علیہ وسلّم کے طفیل ان کلمات کو قبولیّت سے نوازے اور ملتِ مسلمہ کو ان سے استفادہ کی توفیقِ رفیق عطا فرمائے (آمین) مولانا محمد اطہر نعیمی

خطیب جامع مسجد آرام باغ کراچی۔ دارالعلوم نعیمیہ فیڈرل بی ایریا کراچی

پیش لفظ

انسانی فطرت ہے جب کوئی بیماری لاحق ہوتی ہے تو انسان من پسند غذا تک چھوڑ دیتا ہے اور علاج کی طرف رجوع ہوتا ہے جب ڈاکٹر یا حکیم کے علاج اور پرہیز سے صحت یاب ہو جاتا ہے پھر ہر ملنے والے کو اس معالج کی تعریف و توصیف بیان کر کے اس کا پتہ بتاتا ہے۔ زیرِ نظر کتاب کچھ اسی جذبے کے تحت پیش کر رہا ہوں امید ہے کہ صحت یاب ہونے کی صورت میں دعائے خیر سے یاد فرمایا جاؤں گا۔

وجودِ انسانی دو حصّوں میں منقسم ہے۔

ایک رُوح

دوسرا مادہ۔

دیکھئے یہ جسم و رُوح دونوں آپ کے ہیں۔ آپ جسم کے معاملے میں کس قدر حساس ہیں جونہی آپ کی طبیعت ناساز ہوتی ہے فوراً علاج کی طرف دوڑتے ہیں اسی طرح جب رُوح بیمار ہوتی ہے۔

عبادت کی طرف طبیعت راغب نہیں ہوتی اس روحانی کرب کا ادراک انسان ضرور کرتا ہے لیکن علاج کی طرف رجوع نہیں ہوتا بے چینی میں دن رات گزرتے ہیں نت نئے حیلے کر کے دل بہلانے کی ناکام کوشش کرتا ہے۔ اب اگر علاج کرایا بھی جائے تو پرہیز کرنے پر آمادہ نہیں ہوتا جب کہ رزقِ حلال اور صدقِ مقال اس وجود کی بقاء و سلامتی کے لئے دو بنیادی شرائط ہیں۔ اِس دورِ فتن میں ہم نتائج سے بے خبر، ذرا سی جھجک اور خدا کا خوف محسوس نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ جھوٹ کے بغیر کام نہیں چلتا۔

حلال ہے کہاں؟

رشوت نہ لیں، چور بازاری، اسمگلنگ اور گراں فروشی نہ کریں تو بچوں کا گزارہ کس طرح ہوگا۔ وغیرہ وغیرہ۔

عذرِ گناہ بدتر از گناہ کے مصداق ایک تو خدا کی نافرمانی پھر اس پر تاویلات اس سے غضبِ الٰہی کو دعوت دی جاتی ہے پچھلی امتوں پر ایسی ہی بداعمالیوں کی وجہ سے عذاب نازل ہوتے اور وہ تباہ و برباد ہو گئیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

"تم فرماؤ، زمین میں چل کر دیکھو کیسا انجام ہوا مجرموں کا۔" (۲۷/۶۹)

ہم بھی اپنی نافرمانیوں کی بدولت تباہی و بربادی کی طرف رواں دواں ہیں۔ لہٰذا ہمیں چاہیئے کہ ابھی جو وقت بچا ہے اُسے غنیمت جانتے ہوئے خوابِ غفلت سے بیدار ہو جائیں اور آنے والے مصائب کا اپنے اعمالِ صالحہ سے سدِباب کریں۔

(آیت) "اور اس سے پہلے کہ تم پر ناگہاں عذاب آ جائے اور تم کو خبر بھی نہ ہو اس نہایت اچھی (کتاب) کی جو تمہارے پروردگار کی طرف سے تم پر نازل ہوتی ہے پیروی کرو۔" (۳۹/۵۵)

وآخرِ دعوانا انِ الحمد للّٰہ ربِ العالمین

گرمیوں کے دن تھے در و دیوار سے آگ برس رہی تھی، یوں بھی کوٹری میں گرمی کچھ زیادہ ہی پڑتی ہے۔ پنکھوں کی ہوا بے اثر معلوم ہونے لگتی ہے۔ سید عبد الحفیظ شاہ صاحب مدظلہم العالی جب اس شہر میں تشریف لاتے ہیں تو اہلِ نظر اور صاحبِ دل حضرات کی محفلیں جمتی ہیں۔ دینی اور دنیاوی مسائل پر حضرت شاہ صاحب کی گفتگو سننے کے لئے لوگوں کا اشتیاق دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ ایک ایسی ہی روح پرور محفل میں ایک صاحب نے اس وقت یہ سوال کیا جب شاہ صاحب نمازِ مغرب سے فارغ ہو کر بیٹھے ہی تھے۔

سوال: ہم اللہ کو کیوں مانیں اور اس کی ہمیں کیا ضرورت ہے؟

جواب: اللہ تبارک تعالیٰ کا یہ اتنا بڑا کمال ہے کہ اس نے چونکہ انسان کو تخلیق کیا ہے۔ تو اس نے اس کے ذہن میں، فکر میں ہر اٹھنے والے سوال کے جواب کی شہادتیں اور مثالیں قائم کر رکھی ہیں جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

"اور ہم ہی نے انسان کو پیدا کیا ہے اور جو خیالات
اس کے دل میں گذرتے ہیں ہم ان کو جانتے ہیں
اور ہم اس کی رگِ جاں سے بھی زیادہ قریب ہیں۔"

(۵۰:۱۶)

ذرا ہم اپنی پیدائش یہ یا خود اپنے وجود پر نظر ڈالیں۔ اس ربّ حقیقی نے ہماری پیدائش سے ہمیں ماں اور باپ کی صورت میں انھیں ربّ مجازی بنا کر سمجھایا جب ہم اس عالمِ وجود میں آتے تو ماں نے باپ کو اس طرح متعارف کرایا کہ یہ تیرا باپ ہے۔ ہم ساری زندگی نہ تو ماں کے قول کو جھٹلاتے ہیں نہ ہی کوئی دلیل طلب کرتے ہیں اور نہ ہی کسی شک میں مبتلا ہوتے ہیں۔ صرف ایک مرتبہ ماں کا کہہ دینا کہ یہ تیرا باپ ہے کافی ہوتا ہے کہ ہماری پوری زندگی کوئی دوسری شہادت طلب ہی نہیں کرتی۔ حالانکہ کوئی شخص دعویٰ نہیں کر سکتا کہ اس کی ماں نے کبھی جھوٹ نہ بولا ہو۔ تو کیا ممکن نہیں۔ یہ بات اس کی ماں کی غلط ہو لیکن حیرت کا مقام ہے دنیا کا کوئی انسان اس وہم میں پڑتا ہی نہیں اور ماں کے کہنے کو پتھر کی لکیر سمجھتا ہے۔

اس مثال کو ذہن نشین کراتے ہوتے میں یہ بتانا چاہوں گا کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی جنھوں نے ساری

زندگی کوئی بات سچ کے علاوہ نہیں کہی، نہ ہی امانت میں خیانت کی، جس کے اُن کے بدترین دشمن بھی قائل تھے وہی سچے نبیؐ ہمیں اللہ تبارک تعالیٰ سے اس کے احکامات کو قرآنی شکل میں پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ میں اللہ کا نبی ہوں اور یہ قرآن رب کی طرف سے تمھارے لئے ہدایت ہے۔ مزید برآں جب قرآن کو اللہ کا کلام بتاتے ہیں تو ساتھ ہی ساتھ قرآن کی شہادت بیان کرتے ہیں۔ جیسا کہ رب تعالیٰ فرماتے ہیں:۔

"بے شک یہ ذکر (کتاب) نصیحت ہم ہی نے اتاری ہے اور ہم ہی اس کے نگہبان ہیں۔" (15/9)

اور اگر تم یہ سمجھتے ہو یا اعتبار نہیں کرتے کہ یہ اللہ کی طرف سے نہیں ہے تو قرآن پاک میں ارشاد ہے:۔

"اور اگر تمھیں کچھ شک ہو اس میں جو ہم نے اپنے اس خاص بندے پر اتارا تو اس جیسی ایک سورت تو لے آؤ اور اللہ کے سوا اپنے سب حمایتیوں کو بلا لو اگر تم سچے ہو۔" (2/23)

یہ چیلنج اس وقت کا ہے جبکہ تمام علماء عرب قرآن نہ مانتے ہوئے بھی اس دعوے کے سامنے عاجز و بے بس ہو گئے

اور محض ہٹ دھرمی کی بنا پر ماننے سے انکار کرتے رہے۔ غور کیجیے اللہ کی اس بات پر کہ یہ میرا کلام ہے اور میں ہی اس کا محافظ ہوں۔ تو کیا اس کلام کی حفاظت کی ذمہ داری خود رب نے قبول کی ہے؟ جبکہ تمام انبیاء سلف کے بھیجے ہوئے صحیفوں پر ایسی حفاظت کی ذمہ داری کا کہیں تذکرہ نہیں ملتا۔ اگر ہم اس دنیا سے تمام قرآنی نسخوں کو ضائع کر دیں تو غور فرمائیے قرآن پھر بھی باقی رہتا ہے۔ کیا کوئی دنیا کی کتاب ضائع ہو جانے کے بعد باقی رہ سکتی ہے؟

یاد رہے کہ اس طرح کی مذموم کوشش انگلستان کے بادشاہ رچرڈ شیر دل نے بارھویں صدی عیسوی میں سلطان صلاح الدین ایوبی سے صلیبی جنگوں میں شکست کھانے سے پندرہ یا بیس سال پہلے کی تھی۔ اس نے انگلستان، فرانس، جرمنی اور اسپین کے چیدہ چیدہ پادریوں کو اکٹھا کیا اس اجلاس میں رچرڈ نے یوں تقریر کی:۔

"اے کلیسا کے محافظو چار سال قبل جب میں نے آپ کو خطاب کیا تھا تو یہی تجویز طے پائی تھی کہ دینِ محمدیؐ کو نیست و نابود کرنے کے لئے دنیا سے

اسلام میں جتنے بھی قلمی قرآنی نسخے ہیں وہ خرید لئے جائیں اور اُن کو جلا دیا جائے، نہ ہی مسلمانوں کی مقدس کتاب باقی رہے گی نہ ہی ان کا دین ترقی پذیر ہو سکے گا۔ ہمارے نمائندوں نے ترکی اور مصر میں ہزاروں قرآنی نسخے خریدے اور بعد میں اُن کو جلا دیا۔ لیکن ہمیں معلوم ہوا کہ مسلمانوں کے ایک طبقہ نے تو قرآن کو حفظ کیا ہوا ہے اس طبقہ کو حفاظِ کرام کہا جاتا ہے اگر کوئی نسخہ گم ہو جائے تو قرآن کے حافظ اپنے کاتبوں سے دوبارہ نئے نسخے تیار کرا دیتے ہیں۔"

اب یہ طے پایا کہ اللہ نے اپنے رسول کی معرفت ہمیں یہ قرآن عطا کیا تو کوئی وجہ نہیں ہم اس کو سچ نہ جانیں اور تمام شبہات سے بالاتر ہو کر اس پر عمل پیرا نہ ہو جائیں۔ اسی لئے اللہ نے انسان کو علم و عقل، فہم و ادراک سب سے نوازا۔ ذرا غور تو کریں اس کی معرفت کا علم اس پوری کائنات میں پھیلا ہوا ہے۔ میں تو یوں کہوں گا۔

ساری کائنات مشاہدۂ قرآن ہے انسان صاحبِ قرآن ہے اور یہ قرآن کتابِ قرآن ہے۔ خشکی اور تری میں کوئی چیز ایسی

رب تعالیٰ نے باقی نہیں چھوڑی جو اس کتاب حکیم میں نہ بتائی گئی ہو۔ رب فرماتے ہیں:-

"اور اس قرآن کی یہ شان نہیں کہ کوئی اپنی طرف سے بنا لے بے اللہ کے اتارے۔ ہاں وہ اگلی کتابوں کی تصدیق ہے اور لوح میں جو کچھ لکھا ہے سب کی تفصیل ہے اس میں کچھ شک نہیں ہے پروردگارِ عالم کی طرف سے ہے۔" (۱۰ / ۳۷)

اس بات کی بھی تحقیق جو کہ قرآن مجید کے الہامی ہونے کا ثبوت فراہم کرتی ہے مشہور عصری محقق ڈاکٹر ارشاد خلیفہ نے اپنی تحقیقات کے متعلق ایک انٹرویو میں بیان کی ہے۔

(بحوالہ اخبار العالم اسلامی ۱۹/ جنوری ۱۹۷۶ء)

وہ الیکٹرانی آلات کے ذریعے اعداد و شمار کی روشنی میں قرآن مجید پر ریسرچ کر رہے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے ہر سورۃ کی آیتوں کو شمار کیا۔ ان میں ہر ہر حرف کے مکررات کی مجموعی تعداد نوٹ کی اور ان ہزاروں اور لاکھوں اعداد کو کمپیوٹر کے حوالے کر دیا۔ ان تمام تحقیقات کے جو نتائج سامنے آتے ہیں وہ قرآن کریم کے اعجاز کی مادی اور محسوس دلیل قطعی اور روشن ثبوت ہیں۔

پہلے آپ نے آیتِ کریمہ "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" کا معجزہ بیان کرتے ہوتے فرمایا کہ یہ آیت انیس (۱۹) حروف پر مشتمل ہے اور چار الفاظ سے مرکب ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے فرمایا اس حیرت انگیز حقیقت کا انکشاف ہوا ہے کہ قرآنِ حکیم کی اس اوّلیں آیت کے ہر لفظ کے مکرّرات کی تعداد اس آیت کے حروف کی تعداد پر تقسیم ہوتی ہے۔ آپ نے فرمایا یہ ناممکن اور محال ہے انسانی فکر کا نتیجہ نہیں ہو سکتا کہ ایک کتاب کے پہلے خاص جملے کے ہر لفظ کی اپنی مجموعی تعداد متواتر طور پر جملے کے حروف کی تعداد پر تقسیم ہو جائے۔ مثلاً لفظِ اللہ قرآنِ پاک میں ۲۶۹۸ بار اور لفظ رحمٰن ۵۷ بار اور رحیم اسم کی حیثیت سے ۱۱۴ مرتبہ آیا ہے۔ یہ سب انفرادی طور پر انیس (۱۹) سے منقسم ہیں۔ مزید یہ کہ قرآن میں ۱۱۴ سورتیں ہیں۔ یہ بھی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے ۱۹ حروف سے منقسم ہیں جبکہ خود اس آیت کریمہ کی مجموعی تعداد ۱۱۴، ۱۹ سے منقسم ہے۔

یہ آیت کریمہ اس ابدی حقیقت کی شہادت دیتی ہے کہ قرآنِ کریم ادنیٰ تحریف سے بھی محفوظ ہے۔ یعنی حروف کی ردّوبدل سے بھی محفوظ ہے اور اللہ کی مشیّت سے حفاظ نے

چودہ (۱۴) صدیوں پہلے جس طرح قرآنِ حکیم کو حفظ کیا تھا پوری دیانتداری سے ہم تک منتقل کیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے مزید تفصیلات بتاتے ہوتے فرمایا اگر قرآنِ مجید کے موجودہ رسم الخط میں تبدیلی کی جاتے گی مثلاً "صلوٰۃ، حیوٰۃ، زکوٰۃ" کے بجائے "صلوات، حیوات، زکوات" لکھا جائے تو اس مستحکم اور دقیق میزان اور نظام میں خلل پیدا ہو جاتے گا جیسا کہ حروف کے مکرّرات کی تعداد مختلف ہو جاتے گی۔ مزید تحقیقات جاری ہیں۔

(کمپیوٹر سے قرآنی جائزہ ماخوذ رسالہ معارف دار المصنفین اعظم گڑھ)

قربان جائیے ربّ تعالےٰ کے، فرماتے ہیں:۔

فِيهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ ۝

"جس میں مستحکم آیتیں لکھی ہوتی ہیں" (۹۹/۳)

یعنی قرآن کسی بھی ترمیم سے پاک ہے اس بات سے ربّ تعالیٰ پہلے ہی متنبہ کر چکے ہیں۔

مندرجہ بالا قرآنی شہادتوں اور مختلف بیانات کی روشنی میں ہم اللہ اور اس کی کتاب قرآن پر ایمان لانے کے لئے مجبور ہیں کیونکہ اس کے سوا حیاتِ دنیوی و اخروی کی تکمیل ہی نہیں ہوتی۔

آئیے ہم اس بات کی طرف لوٹتے ہیں کہ ہم اپنے ربِ مجازی

باپ پر ایمان لا کر اس کو اپنا کفیل سمجھتے ہوتے صغیر سنی سے لے کر شعوری عمر تک تمام تفکرات جس میں خوراک، لباس، تعلیم و تربیت صحت و عافیت کی ذمہ داری کا بوجھ اسی پر متصور کرتے ہیں یہ کفالت کا ایمان ہمیں تحفظ، اطمینان اور سکون بخشتا ہے۔ بعینہٖ جب اللہ تبارک تعالیٰ یہ فرماتے ہیں:۔ آیت

"جس نے میرے اوپر توکل کیا میں اس کے

لئے کافی ہوں"۔

مجاز سے حقیقت کی طرف جانا چاہیئے تھا لیکن افسوس انسان یہاں سے بھٹک کر اللہ پر یقین نہ رکھتے ہوتے اپنے آپ ہی مصائب و آلام کا شکار ہو گیا اور زندگی کے مسائل اور سبب کی دنیا میں اس طرح اُلجھ گیا کہ مسبب الاسباب کو قطعی فراموش کر بیٹھا۔ پس دنیا و آخرت میں خوشگوار اور مطمئن زندگی گذارنے کے لئے اللہ رب العالمین پر ایمان لانے کے سوا کوئی چارہ نہیں جبکہ اس نے خود فرما دیا "اگر تم مجھ پر ایمان نہ لاؤ گے اور میرے احکامات کی تعمیل نہ کرو گے تو خسرہ فی الدنیا والآخرہ، دونوں جہانوں میں نقصان اٹھاؤ گے"۔

اب اگر یہ سوال اٹھایا جائے جو لوگ اللہ اور اس کے

رسولؐ پر یقین نہ رکھتے ہوتے ایک خوشحال مادی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ تو میں اس کے جواب میں صرف ایک مثال پیش کرتا ہوں کہ ایک مسافر اپنے سفر کی تمام ضروری اشیاء اور اسباب رکھتے ہوتے اپنی منزل سے بھٹک جاتے تو کیا اس کا یہ مال و اسباب جو آپ دیکھ رہے ہیں اس کو منزل تک پہنچا سکے گا۔ میں تو یوں کہوں گا عام حالتوں میں اگر کوئی شخص راستہ بھٹک جاتا ہے تو وہ نہ صرف یہ کہ پریشان ہوتا ہے بلکہ ہوش و حواس بھی کھو بیٹھتا ہے۔ ایسے سرگردان مسافر کو جس کی منزل کا کوئی تعین ہی نہ ہو وہ کیونکر منزلِ مقصود تک پہنچ سکتا ہے۔ بتائیے اس بات کا کیا ثبوت ہے جو لوگ اللہ کو نہیں مانتے تو کیا ان کو دنیاوی پریشانیاں لاحق نہیں ہوتیں اور جو مانتے ہیں وہ بھی تو آخر پریشان ہوتے ہیں اور زندگی کے مسائل سے دوچار ہوتے ہیں پھر ان دونوں میں فرق کیا ہوا؟ تو جاننا چاہیئے کہ جو شخص اللہ کو مانتا ہے ہر مشکل میں اس کو امید کی روشنی ملتی ہے کہ میرا رب کارساز مطلق ہے اور وہی میری مدد فرماتے گا بس یہی ایقان، اطمینان و تحفظ فراہم کرتا ہے۔

اب دوسرا شخص جو رب تعالیٰ کو نہیں مانتا۔ وہ اس امید کی روشنی سے محروم ہے اور یہی ہر دو احساس بین فرق بتاتے ہیں۔

ہم رب کو کیوں نہ مانیں۔؟

تو غور کریں ہماری اس کائنات میں کیا حیثیت ہے۔ کیا ہم نے اپنے ہی وجود کو سمجھ لیا ہے۔؟ یا اس عظیم مستحکم نظامِ کائنات کو سمجھ لیا ہے۔ ہم تو خود اپنے انجام سے واقف نہیں اور نہ ہی یہ اپنے اندر ہونے والی فنا پر کچھ اختیار رکھتے ہیں۔ ساری کائنات اپنے خالق کی عظمت کی گواہی دے رہی ہے اور ہم رب کو نہ مانیں تو کیا فرق پڑتا ہے، فرق تو خود ہماری ذات پر پڑتا ہے ہم گمراہ ہو جاتے ہیں کیونکہ خالق کا ایسا مضبوط سہارا جس سے بندے کی تکمیل ہوتی ہے اور جس کو پانا بندے کا مقصود ہے وہ ہی چھوڑ رہے ہیں کہاں کی عقل ہے۔

غور کریں یہ انسان یوں ہی عبث تو پیدا نہیں کیا گیا۔ ساری کائنات اسے مطیع کر کے دے دی گئی اور ساتھ ہی اس میں جستجو بھی رکھی گئی۔ سو میں پھر کہوں گا۔ ساری کائنات مشاہدۂ قرآن ہے۔ انسان صاحبِ قرآن ہے اور یہ قرآن کتاب قرآن ہے۔ تو پتہ چلا اس کائنات کا اور ہمارا خالق وہ ہے جو ہماری عقلوں سے بالاتر ہے۔ تمام کائناتی نظامات صرف اسی کے اندازے پر ہیں۔

"یہ خدائے غالب کا مقرر کیا ہوا اندازہ ہے۔" (۳۶/۳۸)

ہمارا پیدا کرنا، جلانا، مارنا اور اٹھانا اسی کے ہاتھ میں ہے۔

جب وہ ہمارا خالق ہے تو اپنی خلق سے محبت بھی کرتا ہے۔ وہ عقلِ کل ہے اور ہماری عقل کا تقاضہ ہے کہ اسی کا اسیر ہو کر رہا جائے۔ اس میں ہماری فلاح و بہبود ہے۔ اسی طریقۂ زندگی کی تعلیم اور اپنے بندوں کی آسانی کے لئے اس نے انبیاء کرام بھیجے۔

کہنے کا مقصد یہ ہے کہ مذکورہ بالا بیانات اور شہادتوں کی روشنی میں ہر فہم رکھنے والا گمراہی کی تاریکی سے روشنی کی طرف ضرور آئے گا۔ کیونکہ انسان کا فطری تقاضہ ہے کہ وہ بدتر سے بہتر کی طرف رجوع ہوتا ہے پس ہم اپنی دنیاوی اور اخروی زندگی کی آسائشیں حاصل کرنے کی خاطر اللہ کو ماننے پر مجبور ہیں۔ آپ اسے جس نام سے چاہیں پکاریں وہ وہی ایک ہے۔ اگر آپ GOD کہہ کر مدد حاصل کریں تو وہی مالک ہے۔ ایشور بھگوان کہہ کر پکارتے ہیں وہی اللہ ہے SUPREM POWER (سپریم پاور) کہتے ہیں تو بھی وہی اللہ ہے۔ یہاں میں عراقیؒ کے اس شعر کو سنانا مناسب سمجھتا ہوں:۔

در ہر چہ نظر کردم غیر از تو نمی بینم
غیر از تو کس باشد حقا چہ مجال است ایں

عراقیؒ فرماتے ہیں، "جو کچھ میں دیکھتا ہوں تیرے سوا کچھ نہیں،
اور کیونکر ہو کہ تیرے سوا اور کوئی ہو ہی نہیں سکتا"۔
اتنا کہنے کے بعد شاہ صاحب نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے:-

"اے اللہ جو کچھ میں نے کہا لوگوں کے دلوں میں
اتار دے اور حاضرین کو ایمان کی روشنی عطا
فرما۔ اگر تو ہماری بداعمالیوں پر ناراض ہے
تو توبہ قبول فرما کر راضی ہو جا۔ کیونکہ آخر کار
ہم سب کو تیرے حضور حاضر ہونا ہے تو اے
رب! کمالِ شفقت، بخشش اور عطاؤں کے
صدقے ہمیں دین و دنیا کی رسوائیوں سے بچا
اور ہم سب کا بطفیل سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ
وسلم انجام بخیر کر۔ آمین"۔

دعا کے بعد آپ نمازِ عشاء کے لئے مسجد میں تشریف لے
گئے حاضرینِ مجلس بھی آپ کے ساتھ نماز کے لئے چلے گئے۔

عشاء کی نماز کے بعد پھر گفتگو کا سلسلہ شروع ہوا تو ایک
صاحب نے سوال کیا۔

سوال ۲: کیا واقعی انسان مر جاتا ہے اور مرنے کے بعد کلیتاً
ختم ہو جاتا ہے؟

جواب:۔ دیکھیے کوئی بھی صانع اپنی صنعت بے مقصد تخلیق نہیں
کرتا۔ کیا آپ اپنے اس وجود کی تخلیق پر غور نہیں فرماتے کہ موئے سر
سے لے کر ناخنِ پا تک کوئی چیز بے محل، بے ضرورت یا کم و بیش
محسوس ہوتی ہے بلکہ یہ دلیل ہے رب تعالیٰ کا انسان اتنا عظیم
شاہکار ہے کہ اس میں کوئی کمی یا بیشی عیب شمار ہوگی۔ کس قدر
عجیب بات ہے اس دنیا میں خدا کے نہ ماننے والے لوگ بھی گزرے
اور ہیں۔ ناقد بھی گزرے اور ہیں۔ تاریخ گواہ ہے ان میں سے
کسی ایک نے بھی انسانی ساخت پر کبھی کوئی تنقید نہیں کی۔ گویا
اس شاہکار کے مکمل ہونے کی خاموش اور واضح شہادتیں گزرتی

چلی آ رہی ہیں۔ آج بھی جبکہ سائنس نقطۂ عروج پر پہنچی ہوئی ہے تمام دانشور، عقلاء، سائنسدان اور ڈاکٹرز اس کی ساخت پر محوِ حیرت ہیں کیا اس صنعت سے صانع کی عظمت اور بلندی کا اظہار نہیں ہو رہا ہے کیا اس عظیم صانع نے انسان کو یونہی بے مقصد تخلیق کر دیا ہے۔

اب آئیے خالق خود مقصدِ تخلیق کس طرح بیان فرماتے ہیں:۔

(آیت) "ہم نے جن و انس کو پیدا کیا اپنی عبادت کے لئے"۔

(۵۱/۵۶)

یہاں میں یہ نکتہ بتاتا چلوں، عبادت کا لفظ اتنا جامع ہے کہ لوگوں نے اسے سمجھنے میں غلطی کی ہے مثلاً صرف نماز ہی عبادت نہیں ہے، داڑھی رکھ لینا، تسبیح لے کر پڑھنا ہی عبادت نہیں ہے بلکہ عبادت ایک ایسا مفہوم ہے کہ تم اپنے مالک کو راضی کرو، اپنے حساب سے اور ساتھ ہی ساتھ جو حساب بتا دیا گیا ہے اس کو پیشِ نظر رکھو، یہی عبادت کا مفہوم ہے۔ اب آپ کی ہر حرکت جو شرعی حدود کے اندر ہے اور شرعی تقاضے پورے کرتی ہے تو وہ عبادت ہے اور آپ کی ہر وہ حرکت چاہے وہ بظاہر عبادت کے ہی کیوں نہ ہو لیکن مقصد مالک کی رضا حاصل کرنا نہ ہو، شرعی تقاضے پورے نہ کرتی ہو حق بندگی نہیں۔

یہ تو ہوا مقصدِ تخلیق پھر رب اِنّی جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَہ کی حیثیت سے سرفراز کرتے ہوئے اس عالمِ وجود یا یوں کہیئے اِس کرۂ دار العمل میں بوجہ تکمیل منشائے ایزدی لے آتے ہیں۔ اِس عالمِ وجود میں لانے کے بعد رب بتاتے ہیں یہ جو میں نے تمہیں زندگی دی۔ ہے تمہاری آزمائش کے لئے ہے کہ تم میں سے کون بہتر عمل کرتا ہے۔ جیسا کہ سورۃ ملک میں ارشاد ہے:۔

"اس نے موت و زندگی کو پیدا کیا تا کہ تمہاری -
آزمائش کرے کہ تم میں کون اچھے عمل
کرتا ہے"۔ (۶۷/۲)

یہ قاعدہ ہر صنع کی تکمیل مقصدِ تخلیق حاصل ہونے سے ہوتی ہے ورنہ بے معنی ہے جیسا کہ خالقِ کریم نے انسان کو ایک مکمل صورت دی اور تمام نعمتوں سے پُر کائنات مطیع کر کے اسے دے دی اور اسے وہ سمجھ بوجھ اور اختیار دیا کہ خواہ وہ ان نعمتوں کا شکر ادا کر کے اپنا مقصدِ تخلیق سمجھتے ہوئے اپنی تکمیل کو پہنچے جس میں اس کی بقاء و سلامتی ہے اِنّی جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَہ کی تفسیر ہے، در صورتِ دیگر خسرۃ فی الدنیا والآخرہ۔

اب دیکھئے رب تعالیٰ جانتے تھے کہ یہ انسان روزِ جزا
سے فرار حاصل کرنے کے لئے زندگی بعد از موت کو جھٹلاتے گا
پھر کفر و باطل کی طرف گامزن ہو کر خسارہ میں رہ جائے گا۔

یہاں یہ نکتہ بیان نہ کرنا بڑی زیادتی سی ہوگی کہ جس کو ہم مردہ سمجھ رہے ہیں اس کی تشریح جو ہمارے اذہان پر کچھ اس طرح چھائی ہوئی ہے کہ انسان ختم ہوا اور یہ قصہ بھی ختم ہوا، ایسا نہیں ہے، موت عدم نہیں انتقالِ مکانی ہے۔ رب کا فرمان ہے۔۔

"ہر متنفس موت کا مزہ چکھنے والا ہے پھر
تم ہماری ہی طرف لوٹ کر آؤ گے۔" (۲۹/۵۷)

یعنی تیرا جیون خود دوسری زندگی (LIFE . AFTR LIFE) کی شہادت ہے۔

شاہ صاحب نے سلسلہ کلام ختم ہی کیا تھا کہ حاضرین کے سامنے چائے لائی گئی۔ سب نے چائے نوش کی۔ حرارت کچھ اور بڑھی، پسینہ بہنے لگا۔ شاہ صاحب آنکھیں بند کئے سر جھکائے بیٹھے تھے۔ لیاقت میڈیکل کالج کا ایک لڑکا کھڑا ہوا اور اجازت لے کر سوال کیا۔

سوال ۲۔ کیا انسانی عمل کی سزا و جزا دنیا و آخرت میں نہیں ہے اور اگر ہے تو ہم کس طرح یقین کریں۔؟

جواب۔ یہ بات طے ہوتی کہ موت عدم نہیں انتقالِ مکانی ہے یا یوں سمجھئے کہ ہم روحوں کی تخلیق سے لے کر اپنی ارتقائی منازل سے گزرتے ہوتے اس زندگی کو پانے کے لئے عالمِ وجود میں داخل ہوتے۔ پھر یہ زندگی کا دوسرا مرحلہ طے کر کے موت کا ذائقہ چکھ کر اپنی تکمیل کے تیسرے مرحلے میں یا عالمِ برزخ میں داخل ہوتے جس کے بعد ہمیں اپنی آخرت کی ابدی زندگی حاصل ہوگی۔

جو لوگ یہ خیال کرتے ہیں مرنے کے بعد جب جسم جلادیا گیا یا مچھلیاں کھاگئیں یا وہ کسی حادثے میں ریزہ ریزہ ہوگیا تو وہ کس طرح جزا اور سزا کے دور سے گزر سکتا ہے۔ اس کا جواب رب تعالیٰ خود فرماتے ہیں:۔ (ترجمہ آیت)

"اور ہمارے بارے میں مثالیں بیان کرنے لگا،
اور اپنی پیدائش کو بھول گیا بولا کہ ایسا کون ہے
کہ ہڈیوں کو زندہ کرے جب وہ بالکل ہی
گل گئیں تم فرماؤ انھیں وہ زندہ کرے گا
جس نے پہلی بار انھیں بنایا اور اسے ہر
پیدائش کا علم ہے۔" (۳۶ / ۷۸-۷۹)

دوسری آیت میں رب تعالیٰ فرماتے ہیں:۔

"بلکہ ہم اس بات پر قادر ہیں کہ ہم اس کی
پور پور درست کردیں۔" (۷۵/۴)

جزا اور سزا کے بارے میں، میں آپ سے عرض کروں قاعدہ کلیہ یہ ہے جب بھی آپ کسی کو کچھ عطا فرماتے ہیں، وہ بلا ضرورت یا بے مقصد نہیں ہوتا لیکن معطی ہمیشہ اس عطیے پر نگاہ رکھے گا کہ آیا اس کے عطیہ کا مصرف اس کے احکامات

کے تحت ہو رہا ہے یا نہیں۔ یہیں سے اس کے لئے احتساب لازم آتا ہے۔ لہٰذا دیانت داری کا تقاضا ہے جبکہ رب نے ہمیں یہ زندگی بمعہ ان تمام نعمتوں کے، جن کا کوئی شمار نہیں عطا فرما کر کتنا عظیم احسان فرمایا پھر بار بار یہ فرما کہ تم میری کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ یعنی میرے احتساب سے جھٹلا کر بچ نہ سکو گے، سیدھی سی بات ہے معطی کے عطیے کا جائز استعمال کرنے سے وہ خوش ہوگا درصورت دیگر ناراض ہوگا اب یہ خوشی اور ناراضگی جزا اور سزا سمجھیے۔ دیکھیے بڑی عجیب بات ہے یہ جو مشین بشکل جسم رب نے عطا کی ہے اتنی متوازن اور حساس ہے کہ نیکی کے بدلے خوشگوار اور بدی کے بدلے ناخوشگوار اثرات بطور سزا و جزا اس وجود پر مرتب ہوتے ہیں۔ احکام خداوندی کے خلاف کوئی بھی خیال آتے ہی اس وجودِ انسانی کا کمپیوٹر کام کرنا شروع کر دیتا ہے۔ مثال کے طور پر، ایک شخص اچھا خاصا بیٹھا ہے اس کے خیال میں یہ بات آئی، میں چوری کروں، اس خیال کے آتے ہی دل کی دھڑکن تیز ہو جائے گی اور اس شخص کی حرکات و سکنات غیر معمولی نظر آنے لگیں گی اگر وہ اس خفیف تنبیہہ سے باز نہ آیا اور اپنے چوری کے خیال

کی تائید میں واقعی چوری کر لی تو چوری کرتے ہی نامعلوم خطرات کا احساس کہ مجھے کسی نے دیکھ نہ لیا ہو، کوئی میرا پیچھا تو نہیں کر رہا وغیرہ وغیرہ۔ اِن خیالات سے اس کا سکون برباد ہو جاتا ہے۔

ذرا ذرا سی آہٹ پر ہراساں ہونا، چور کی آنکھوں کے ڈِلوں کا ایک جگہ نہ رکنا، نظامِ ہاضمہ کا متاثر ہونا اسی طرح اس سارے وجود کے نظامات کا کم و بیش متاثر ہونا۔ تو یہ چوری کی علامتیں ہیں جن کا اس وجود پر ردِّ عمل ہوتا ہے۔ اب وہ اپنی چوری کو چھپانے کی لاتعداد تدابیر کرنے لگے گا۔ دنیوی پریشانیاں تو اس طرح لاحق ہو ہی گئیں اب اگر وہ مسلمان ہے تو آخرت کا غم اس کے دل میں چھپے ہوتے کانٹے کی مانند چبھن پیدا کرے گا۔ علیٰ ہٰذا القیاس، ہر حکمِ خداوندی کی نافرمانی کے ردِّ عمل اسی طور پر وجودِ انسانی میں ظہور پذیر ہوتے ہیں کیا یہ شہادت سزا کے سلسلے میں خود اس کے وجود کو کافی نہیں۔ اس وجود میں خدائے حکیم نے شاہد بھی رکھا اور قاضی بھی جو کسی جرم پر مجرم کو اندر ہی فیصلہ سُنا دیتا ہے۔ اور ارتکابِ جرم سے پہلے اس کو متنبّہ کرتا ہے، یہ تو ہوئی سزا کی بات، اب جزا کی سنیئے۔ ایک شخص نیک عمل کرتا ہے۔ مثلاً کسی بھوکے کو کھانا کھلانا، کسی بیمار کی تیمارداری

کرنا، غرض کوئی بھی نیک کام اور فرائض کا بجالانا، جو کہ محض خوشنودیٔ خدا کے لئے کرتا ہے۔ اگرچہ اِن اعمال کے کرنے میں کچھ تکلیف ہوتی ہے لیکن کر چکنے کے بعد وہ اپنے وجود میں ایک سرور و اطمینان پاتا ہے جو کہ دنیا میں ہی اس ثواب کی نشاندہی کرتا ہے یعنی رب کو خوش کرنے کی خاطر وہی تکلیف اس کے لئے باعثِ اطمینانِ خاطر اور سکونِ قلب بن جاتی ہے۔ کیا یہ سکون ملنے کی شہادت ناکافی ہے۔ اللہ تبارک تعالیٰ اس سزا اور جزا کا فیصلہ ان دو آیات میں فرماتے ہیں۔ (ترجمہ آیت)

"اور جو لوگ ایمان لاتے اور انھوں نے نیک عمل بھی کئے ایسے ہی لوگ جنتی ہیں کہ وہ ہمیشہ ہمیشہ جنّت میں رہیں گے۔" (۲/۸۲)

دوسری آیت ہے:۔

"اور جنھوں نے نافرمانی کی اُن کے رہنے کے لئے دوزخ ہے جب چاہیں گے کہ اس میں سے نکل جائیں تو اس میں لوٹا دیتے جائیں گے اور اسے کہا جاتے گا جس دوزخ کے عذاب کو تم جھوٹ سمجھتے تھے اس کے

مزے چکھو" (۳۲/۲۰)

رات کافی ہو گئی تھی۔ ایک بجے کا عمل تھا۔ شاہ صاحب نے اجازت طلب کی اور سونے کے لئے چلے گئے۔ مجلس برخاست ہو گئی۔

بو بک ضلع دادو کا ایک قدیم شہر ہے اس شہر میں مساجد کی کثرت اور نمازیوں کی قلت ہے۔ یہاں کے بازار چھوٹے گلیاں تنگ اور لوگ گم سم سے نظر آتے ہیں۔ بو بک کے چاروں طرف تمباکو کی کاشت ہوتی ہے۔ تمباکو کے پھولوں کی مہک اور تمباکو کی بُو دماغ کو بوجھل کر دیتی ہے۔

سیّد عبدالحفیظ شاہ صاحب بو بک تشریف لے گئے یہ ایک لمبا سفر تھا نواب شاہ سے مورو اور پھر وہاں سے بو بک گرمی ایسی تھی کہ الامان الحفیظ۔

ٹھہرنے کا انتظام معقول تھا اور مہمان نوازی ایسی کہ برسوں یاد رہے۔ بعد نمازِ عشاء چھت پر چھڑکاؤ کیا گیا۔ پلنگ بچھاتے گئے بجلی کے پنکھوں کا انتظام کیا گیا۔

مشتاقانِ دید کا ہجوم اور شاہ صاحب مدظلہم العالی کی گرمیٔ گفتار نے دلوں کو گرما دیا۔

بویک کے ایک زندہ دل نے اُٹھ کر سوال کیا:۔

سوال نمبر۹:۔ روح باالذات کیا ہے جسم اور روح کا کیا تعلق ہے۔؟

جواب:۔ شاہ صاحب نے مسکرا کر سوال کرنے والے کی طرف دیکھا اور اشارے سے بلا کر پاس بٹھایا اور کہا:۔

پہلے تو اس قرآنی آیت کو پیش کر کے میں یہ سمجھانے کی کوشش کروں گا کہ رُوح ہے کیا۔ جب یہودیوں نے سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم سے رُوح کے متعلق سوال کیا تو اللہ تبارک تعالیٰ سرکارِ دوعالمؐ پر یہ وحی نازل فرمائی:۔

"کہہ دو کہ رُوح میرا حکم ہے"۔ (۱۷/۸۵)

تخلیقِ آدم کے سلسلے میں رب تعالیٰ فرماتے ہیں:۔

"پھر اس کو درست کیا اور اس میں اپنی طرف کی رُوح پھونکی"۔ (۳۲/۹)

ان آیات کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے ہم رُوح کے متعلق تحقیق نہ کریں تو زیادہ مناسب ہے لیکن کیا کیا جائے۔ انسان کی سرشت میں خواہش اور جستجو رب تعالیٰ نے رکھی ہے اور اس کی تسکین کی خاطر اسباب و علل کی دنیا میں تمثیلات پیش کی ہیں اسی سلسلے میں کچھ تحقیقات کی طرف میں آپ کی رہنمائی کروں گا۔

انسانی رُوح کا وزن ۲۱ گرام ہوتا ہے۔ یہ دعویٰ سویڈن کے ایک ڈاکٹر نے کیا ہے اور کہا ہے اس دعویٰ کو ثابت کرنے کے لئے اس کے پاس ثبوت موجود ہیں۔ ڈاکٹر نلسن اولوف جیکب سن نے اپنی کتاب زندگی بعد زندگی (LIFE AFTER LIFE) میں لکھا ہے کہ انھوں نے قریب المرگ مریضوں کو انتہائی حساس ترازو پہ رکھ کر تولا جونہی کوئی شخص مرتا اور اس کی رُوح قفسِ عنصری سے پرواز کر جاتی، ترازو کی سوئی اکیس ۲۱ گرام نیچے آجاتی۔

(ماخوذ روزنامہ جنگ ۲ر دسمبر ۱۹۷۲ء)

لندن ۲۹ مئی مشرق رپورٹ:۔

امراضِ قلب کے مشہور ماہر ڈاکٹر کرسچن برنارڈ نے ایک عورت کی رُوح کو ہسپتال کی کھڑکی سے باہر جاتے دیکھا ہے" یہ واقعہ وہ اس طرح بیان کرتے ہیں کہ پندرہ سال پہلے وہ جنوبی افریقہ کے ایک ہسپتال میں سونے کی ناکام کوشش کر رہے تھے کہ ان کے کمرے کا دروازہ کھلا اور سفید لباس میں ایک عورت بقول ان کے میرے بستر کی طرف بڑھی اور اپنے دونوں ہاتھ میرے سینے کے اوپر رکھ دیئے پھر اپنی پوری قوت سے مجھے دبانا شروع کر دیا۔ میں نے ہمت کر کے اس عورت کی کلائی پکڑ لی۔ اس کے بعد کیا ہوا

یہ میرے لئے ناقابلِ یقین اور بے انتہا حیرت انگیز ہے کیونکہ وہ عورت گوشت پوست کی بنی ہوئی نہیں تھی۔ اس کی کلائی پکڑتے ہوتے میرا خون منجمد ہو گیا۔ میں نے محسوس کیا وہ چڑیا کے پر سے بھی ہلکی ہے اور فوراً ہی میں نے اسے ہوا میں معلق پایا، میری آنکھوں کے سامنے وہ ہوا میں تحلیل ہوئی اور کھڑکی سے نکل گئی۔

میں نے نرس کو بلانے کے لئے گھنٹی بجائی تو وہ بھی پندرہ منٹ بعد آئی اور وجہ بتائی کہ ایک مریضہ جاں بحق ہو گئی۔ تو میں نے سوچا اس واقعے کا تعلق کہیں اس مرنے والی عورت سے تو نہیں میں نے نرس سے مرنے والی عورت کا حلیہ پوچھا نرس نے ہو بہو وہی حلیہ بتایا جس حلیے کی عورت کو میں اپنے کمرے میں دیکھ چکا تھا۔ وہ عورت کینسر (CANCER) کی مریضہ تھی اور اس سے پیشتر میں نے اس عورت کو کبھی نہیں دیکھا تھا یاد رہے میں دل کا ڈاکٹر ہوں مجھے ہسپتال میں اس کی موجودگی کا علم ہی نہیں تھا کیونکہ میں کینسر کے مریضوں کے وارڈ میں جاتا ہی نہیں تھا۔ بعد ازاں میں نے وارڈ میں جا کر اس عورت کی لاش دیکھی۔ جسے باہر لے جایا جا رہا تھا وہی عورت میرے کمرے میں آئی تھی۔ اس واقعہ کو میں ابھی تک نہیں بھول سکا۔ کئی برس گزر

چکے ہیں میں جاگتے میں خواب بھی نہیں دیکھتا کہ میں اسے اپنی بیماری پر تعبیر کروں، مجھے یقین ہے کہ یہ مرنے والے کی روح تھی جو نکلتے وقت میرے پاس شاید کوئی شکایت لے کر آئی ہو لیکن میرے تشدّد کرنے پر وہ کچھ نہ کہہ سکی۔

(ماخوذ روزنامہ مشرق کراچی ۳۰ مئی ۱۹۸۳ء)

متذکرہ بالا بیانات کی روشنی سے اگرچہ کچھ حد تک روح پر واقفیت ہوتی ہے لیکن یہ سوال ہنوز جوں کا توں رہتا ہے کہ آخر ہم روح کو کیا سمجھیں۔؟

میں اپنی بات کو وہاں سے شروع کرتا ہوں جب رب تعالیٰ نے اپنے لفظِ کُن سے روحوں کی تخلیق فرمائی اور ان کو اس کرّے سے کرۂ زمین کی طرف یہ دریافت کر کے۔ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں روانہ کر دیا۔

سب روحوں نے قالو بلیٰ کہا اور اس عالم وجود میں آنے کے لئے اپنی ارتقاء کا سفر شروع کر دیا جس کے متعلق رب تعالیٰ اس طرح اشارہ فرماتے ہیں۔

(ترجمہ) "کہ اے انسان تجھ پہ اس دہر میں ایسا وقت بھی گزرا کہ تو قابلِ ذکر نہ تھا (یعنی کہ تُو تھا تو)

(۷۶/۱)

سوال یہ ہے کہ حکم کی اطاعت میں روانہ ہونا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ کس نے سنا اور کون عمل پیرا ہوا۔ جبکہ روح جسدِ خاکی سے متعارف ہی نہ تھی۔ سننا، دیکھنا اس کے لئے کسی عضو (ORGAN) کی ضرورت ہوتی ہے اور وہ ORGAN ہنوز زیرِ تعمیر تھا۔ تو پتہ چلا سننا، دیکھنا تو ثابت ہے لیکن ہمارے لئے وہ حسّی صورت میں نہ تھا۔ یہی ہماری زندگی کا پہلا مرحلہ ہوا، جس کے لئے ایک مثال عرض کروں۔

ایک بادشاہ ایک بہترین محل تعمیر کرنا چاہتا ہے وہ صرف متعلقہ محکمہ کو حکم صادر فرماتا ہے اس کے حکم پر ماہر تعمیر (ARCHITECT) خاکہ تیار کرتا ہے اس کے بعد معمار تمام تعمیراتی سامان مثلاً لوہا، لکڑی، سیمنٹ وغیرہ جمع کرتا ہے پھر تعمیر شروع ہو جاتی ہے۔ اب یہ محل تیار ہو گیا۔ رنگ و روغن، تمام زینت آرائش کے اسباب مکمل ہو گئے گویا انسان کی روح بمصداق حکم بادشاہ کے اور جسم بمصداق محل کے ہوا۔ جس طرح اس محل کی تعمیر میں حکم تعمیل کے وقت سے درمیان تعمیر میں جتنا وقت صرف ہوا اسی طرح ہماری روح رب کے حکم سے اس دہر میں جمادات، نباتات وغیرہ سے ارتقائی منازل طے کرتے ہوئے

پشتِ پدر اور شکمِ مادر سے ہوتے ہوتے عالمِ وجود میں آئی۔

اب رب تعالیٰ فرماتے ہیں:۔

(ترجمہ) ”اسے کس چیز نے بنایا (یعنی انسان غور تو کرے، پھر رب خود ہی جواب دیتے ہیں)
ایک بوند سے اُسے پیدا فرمایا، پھر اسے طرح طرح کے اندازوں پر رکھا پھر اس کے لئے رستہ آسان کر دیا (یعنی دنیا میں آنے کے لئے)
پھر اُسے موت دی، پھر قبر میں رکھوایا، پھر جب چاہے گا اُسے اٹھا کھڑا کرے گا۔“

(۸۰ / ۱۸ تا ۲۲)

قرآنِ حکیم میں ایک اور جگہ ارشادِ باری ہے:۔

(ترجمہ) ”ہم نے انسان کو نطفۂ مخلوط (یعنی خلاصہ کائنات) سے پیدا کیا تاکہ اُسے آزمائیں، تو ہم نے اسے سنتا دیکھتا بنایا اور اسے رستہ بھی دکھا دیا اب وہ خواہ شکر گزار ہو خواہ ناشکرا۔“

(۷۶ / ۲-۳)

آپ اس مادی دنیا میں جب بھی کسی مقصد کے لئے مشین

تیار کرتے ہیں تو اس کے ساتھ اس کی کارکردگی اور دیکھ بھال کے لئے ایک ہدایت نامہ تیار کرتے ہیں اب جو بھی وہ مشین خرید تا ہے اس کے ساتھ ہدایت نامہ ضرور دیتے ہیں جس پر عمل کرنے سے ہی مقصدِ تخلیق صحیح معنوں میں حاصل ہو گا۔ اگر خریدار آپ کی تخلیق کردہ مشین ہدایت نامہ کے مطابق استعمال نہ کرے گا تو وہ مشین کی صحیح کارکردگی سے بہرہ ور نہ ہو سکے گا۔ اور اس نے جس مقصد کے لئے مشین خریدی ہے وہ بھی فوت ہو جاتے گا۔

دیکھئے مشین آپ سے وابستہ ہے نہ کہ آپ مشین سے، چند پیسوں سے خریدنے کے بعد وہ آپ کی ملکیت ہو گئی۔ آپ مالک ہیں جس طرح چاہیں استعمال کریں لیکن مشین خریدنے کا مقصد اور اس کی کارکردگی اِن ہدایات پر جو ہدایت نامہ میں دی گئی ہیں جب بروئے کار لائیں گے تب ہی آپ اپنے مقصد کو بحسن و خوبی حاصل کریں گے درصورت دیگر ہدایت نامہ کی اہمیّت کو نظر انداز کر کے سوائے نقصان کے کچھ نہ پا سکیں گے۔

درحقیقت وجودِ انسانی دو حصّوں پر منقسم ہوا۔

ایک مادہ

دوسرا روح

مادہ جسم کی صورت میں مشین کی طرح ہے اور رُوح اس کی حرکات و سکنات کا منبع اور مخرج ہے۔

اس کے لئے میں ایک دوسری مثال پیش کرتا ہوں ایک موٹر کو دیکھئے یہ مختلف دھاتوں سے ترتیب دی ہوئی ایک ایسی سواری ہے جو ہمارے روزمرّہ کے کام آتی ہے۔ آخر یہ گاڑی کیونکر چلتی ہے کیا وہ مادہ (MATERIAL) جو استعمال ہوا ہے متحرک ہے۔ نہیں ہرگز نہیں۔ پھر کیا وہ چیز ہے ہم کہیں پٹرول (PETROL) تو وہ بھی متحرک نہیں۔ دراصل ایک انجن کو اس طرح ترتیب و تشکیل دی گئی ہے کہ وہ پیٹرول کو جلائے اور اس کی گیس بروئے کار لا کر پوری گاڑی متحرک کر دے۔ کچھ اس طرح کا ملاپ (COMBINATION) وجودِ انسانی میں موجود ہے جس کا آپ ادراک تو کر سکتے ہیں لیکن مشاہدہ سے بالاتر ہے۔ جب ہم جسم و جان کا لفظ استعمال کرتے ہیں تو غیر ارادی طور پر ہم روح کی ہی نشاندہی کرتے ہیں۔

رُوح کا جسم سے تعلق زندگی متصوّر ہوتا ہے درصورتِ دیگر رُوح کی پرواز کے بعد اسی انسان کو چند لمحات قبل جو کسی ... نام سے پکارتے تھے اب اس کا نام لاش رکھ لیتے ہیں

آخر یہ کیوں، صرف اس لئے نہ روح جسم سے پرواز کر گئی۔ گو یا
انسان اپنی ارتقائی منازل طے کر کے جیسا کہ مندرجہ ذیل آیت
میں بیان ہے:۔

(ترجمہ) "اسی زمین سے ہم نے تمھیں پیدا کیا اور اسی
میں تمھیں لوٹائیں گے اور اسی سے تمھیں
دوسری دفعہ نکالیں گے۔" (۲۰/۵۵)

یہی منشائے ایزدی پورا ہوا یعنی مسافر سفر کا دوسرا مرحلہ طے کر کے تیسرے مرحلے میں داخل ہوتا ہے۔ یعنی موت عدم نہیں انتقالِ مکانی ہے جونہی روح قفسِ عنصری سے پرواز کر چکی ہے تو تیسرا مرحلہ ان سوالات سے شروع ہوتا ہے:۔

مَنْ رَبُّكَ

مَادِيْنُكَ

مَاتَقُولُ هٰذَا الرَّجُلُ

گو یا حضرتِ انسان کی تمام زندگی کا انحصار انِ ہی سوالات کے جوابات پر موقوف تھا۔ اگر جوابات حسبِ منشائے ایزدی دیئے گئے تو تیسرا مرحلہ آسانیوں کے پہلے دور میں داخل ہو جاتا ہے درصورتِ دیگر عذابِ شدید شروع ہو جاتا ہے۔

یہاں یہ سوال پھر تشنہ رہتا ہے کہ مرجانے کے بعد یہ صورت، حالات و احساسات زندگی کے ساتھ ہونے چاہئیں نہ کہ موت کے بعد۔ پتہ چلا کہ انسان حِس لحاظ سے (S E N S E) مردہ متصوّر کیا جاتا ہے ایسا نہیں بلکہ روح ہر لحاظ سے لافانی ہے۔ بات یوں سمجھیئے دنیاوی زندگی میں ہمارا جسم ہماری روح کو لئے پھرتا تھا۔ اب روح ہمارے جسم کو بمصداق پہچان لئے پھرتی ہے اور جس طرح یہ وجود افعالِ ناپسندیدہ کر کے روح کو احساسِ تکلیف میں مبتلا کرتا تھا۔ اب بھی روح سزا یا جزا ملتے وقت وہی احساس رکھتی ہے جو مرحلہ دوئم میں تھا۔

اس فنا و بقا۔ کا مشاہدہ رب تعالیٰ نے اس مثالی دنیا میں بھی کرایا ہے لیکن ہم اس بات پر کبھی غور ہی نہیں کرتے قرآنِ حکیم میں ارشاد ہے:۔

(ترجمہ) "ہم اپنی نشانیاں جہاں میں اور انسانوں میں
دکھاتے ہیں تاکہ حقیقتِ حق ان پر ظاہر ہو۔"
(۴۱/۵۳)

دیکھیئے جب آپ چھ ماہ کے تھے اور پھر جب دو برس کے ہوئے تو وہ چھ ماہ والا انسان کہاں چلا گیا۔ کیا مر گیا۔ فنا ہو گیا۔

آخر وہ کہاں ہے۔ علیٰ ہذا القیاس اس دنیاوی زندگی میں بچپن، جوانی اور بڑھاپے کے مختلف ادوار ہیں، بوڑھے میں سے جوان کہاں نکل گیا، جوان میں سے بچہ کہاں گیا۔ کیا یہ سوال آپ کے ذہن میں نہیں ابھرتے۔ ہ آخر ان تغیرات کے اشکال پر انسان کیوں نہیں غور کرتا۔ اللہ تبارک تعالیٰ نے ہمیں ہر جگہ ہر محل غور و فکر کی دعوت دی ہے۔

"اور جسے ہم بڑی عمر کا کریں اسے پیدائش میں
الٹا پھیریں (یعنی کہ وہ بچپن کے سے ضعف و
ناتوانی کی طرف واپس ہونے لگے) تو کیا
سمجھتے نہیں۔ (یعنی وہ احوال کے بدلنے پر
کیسا قادر ہے) (٣٦/٦٨)

کتنی صحیح اور سچی بات ہے "جس نے خود کو پہچانا اُس نے رب کو پہچانا" رب کو پہچاننے کا مقصد اس سے متعارف ہونا اس کی صفات سے گزر کر موصوف تک پہنچنا ہمارا جزوِ ایمان ٹھہرا۔

درحقیقت یہ رُوح امرِ ربّی یعنی بعد از کُن ہے۔ پھر اُس نے اس وجود میں آنے کے لئے ارتقاء کا سفر شروع کیا اور یہ جتنی وجود

یعنی صورت انسانیہ حاصل کی جس کی ساری تفصیل رُوح کے ساتھ پیوستہ تھی۔ پھر اس عالم میں آنے کے بعد جو کچھ اس وجود نے کیا اپنی زندگی کے تیسرے مرحلے میں وہ ان اعمال کی ہی چھاپ لے کر چلتی ہے اور جزا و سزا ملتے وقت وہی احساس رکھتی ہے جیسا کہ مرحلہ دوئم میں دنیوی زندگی میں، اس بات کو اس طرح سمجھیں جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں تمام روحیں قالوبلیٰ کا وعدہ رب تعالیٰ سے کر کے باذنِ رب اس کرۂّ ارض کی طرف متوجہ ہوتیں اور ان کا کُن کر حکم بجالانا بغیر اس جسم کے ثابت ہے۔ اب جبکہ اللہ کے حکم سے اس رُوح کو اس مادی جسم سے جدا کر کے عالمِ برزخ میں داخل کر دیا۔

آگے بڑھنے سے پیشتر ایک مثال پیش کرتا چلوں یوں سمجھئے کہ آپ نے ایک مضمون کسی صفحہ پر لکھا اس طرح کہ فوراً ہی اس پر جاذب کاغذ (BLOTTING PAPER) رکھ کر بلاٹ (BLOT) کر لیا آپ دیکھیں گے صفحے پر لکھی ہوئی تحریر الٹی صورت میں جاذب میں جذب ہو جاتے گی اگر آپ اس کو کسی آئینے کی مدد سے پڑھنا چاہیں تو بآسانی پڑھ لیں گے۔ کچھ اسی طرح ہماری رُوح روانگی کے بعد وجود کی شکل اختیار کرنے کے ماقبل جو کچھ اس پر گزرا اس کا

ادراک اُوپر دی گئی مثال کے مانند رُوح کے ساتھ پیوستہ تھا اور وہ ہمارے دماغ کے محفوظ خانے میں الٹی چھاپ، کی مانند پرنٹ (PRINT) ہوا۔ جس طرح کہ ایک وجود میں آنے والے درخت کی ساری تفصیل بیج کے اندر بدرجہ اتم پہلے سے موجود ہوتی۔

کیونکہ ہم بیشتر اپنی اندرونی صلاحیتوں اور طاقتوں سے لاعلم ہیں اس لئے گذشتہ واقعات کے متعلق نہ ہم کوئی علم رکھتے ہیں اور نہ ہی اس کے جاننے کی کوشش کرتے ہیں۔

عام حالتوں میں جب آپ اور ہم سو جاتے ہیں اور آپکی ہماری رُوح سیلانی زمان و مکان کی قید سے آزاد ہو کر دیسے کہ وہ پہلے بھی تمام عالم کی سیر کرتی ہے۔ صبح کو جب آپ اٹھتے ہیں تو رات کی دیکھی ہوئی خواب کے مختلف مقامات اور حالات کے ہلکے سے منظر کا عکس آپ کی یادوں کے انبار کو کرید کرید کر یہ معلوم کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ جو مناظر رات میں نے دیکھے ان کا تو پہلے مجھے کچھ علم ہی نہیں تھا۔

حالانکہ سیدھی سی بات ہے وہ روح کی تمام سیر جاذب کی پرنٹ کی مانند اس جسم کے آئینے میں پڑی ہے یہی وجہ ہے جب آپ بیدار ہوتے ہیں تو آپ خواب کے تسلسل کو جوڑنے کی

کوشش کرتے ہیں۔ اس لئے کہ رات کے واقعات او رمناظر آپ کے ذہن کے محفوظ خانے میں الٹی چھاپ کی مانند پرنٹ ہوتے ہیں اس لئے آپ اس الٹی چھاپ کو سیدھا کرتے ہوتے خواب کا بیشتر حصہ بھول جاتے ہیں۔ اور اکثر و بیشتر یہ جملہ ادا کرتے ہیں کہ رات میں نے جواب دیکھا اور بھول گیا۔ لیکن اس خواب کے کچھ نقوش آپ کا ذہن فراموش نہیں کرتا۔ اور وہ اکثر سارا دن اس گتھی کو سلجھانے کی کوشش کرتا ہے۔

اب جس طرح آپ کو کسی شخص سے ملے ہوئے کافی عرصہ ہو جاتا ہے اور وہ کہیں آپ کی نظر پڑتا ہے اگرچہ فوری طور پر آپ اسے نہیں پہچانتے لیکن ذہن کے محفوظ خانے سے بار بار یہ شورش ہوتی ہے کہ میں نے اسے کہیں دیکھا ہے۔ کچھ وقت گزرنے کے بعد یکایک آپ کو یاد آتا ہے ارے یہ تو فلاں شخص تھا اور اس کا یہ نام ہے۔ پھر آپ اس کے یاد آنے پر ایک ہلکی سی مسرت محسوس کرتے ہیں۔ پس مذکورہ بالا خوابوں کا بھی حال سمجھیئے۔

میرے خیال سے اب آپ کو یہ سمجھنے میں دقت نہ ہوگی جب سوتے وقت آپ کی روحِ سیلانی آپ سے جدا ہو کر جسم کے ساتھ

تو نہیں جاتی پھر کیا وجہ ہے اگر آپ خواب میں یہ منظر دیکھ رہے ہوتے ہیں کہ کوئی شخص آپ کو مار رہا ہے یا جلا رہا ہے یا پانی میں ڈوب رہے ہیں تو آپ اسی قسم کی تکلیف و احساسات محسوس کرتے ہیں جس طرح جاگتے میں اس قسم کے واقعات سے دو چار ہونے پر کرتے ہیں حتیٰ کہ کبھی ان تکالیف پر آپ خوفزدہ ہو کر چیخ پڑتے ہیں اور آپ کے قریب سوتے ہوئے لوگ گھبرا کر اُٹھ بیٹھتے ہیں اور آپ سے دریافت کرتے ہیں کیا ہو گیا۔

اب ذرا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان پر غور کریں کہ "نیند موت کی بہن ہے" اور قرآن حکیم میں فرمانِ رب تعالیٰ ہے۔

(ترجمہ) "اللہ قبض کر لیتا ہے روحوں کو ان کے مرنے
کے وقت اور جو مرے نہیں ہیں ان کی رُوحیں
اُن کے سوتے وقت تو جن کی نسبت موت کا
فیصلہ ہو چکا ہے ان کو روک لیتا ہے اور
باقی سونے والوں کو ایک وقتِ مقررہ
تک چھوڑ دیتا ہے۔" $\left(\frac{39}{42}\right)$

یہاں بتاتا چلوں یہی وہ صورت ہے جس سے زندہ لوگ مرنے والوں کی روحوں سے ملاقات کر لیتے ہیں۔ غور کیجیے کیا آپ

کبھی سوتے ہوئے آدمی کے قریب بیٹھ کر جو کچھ اس پر گزر رہا ہے محسوس کر سکتے ہیں۔

جواب نفی میں ہو گا۔

یعنی اتنی ظاہری قربت کے باوجود وہ جو کچھ دیکھ رہا ہے آپ نہیں دیکھ سکتے اور نہ ہی محسوس کر سکتے ہیں بس یہی حال عالمِ برزخ کا ہے۔

انسان اور عالمِ برزخ

عالمِ برزخ دنیا و آخرت کے درمیان ایک عالم ہے یہی ارواح کے رہنے کی جگہ ہے۔ برزخ دنیا سے بڑا اور آخرت سے بہت چھوٹا ہے اس کے درجے اور طبقے بہت ہیں۔ اعمال کے مطابق ارواح کے بھی مختلف درجے ہیں، یہ ارواح اپنے اپنے اعمال کے مطابق ان درجوں اور طبقوں میں رہیں گی۔ یہ بھی جاننا چاہیئے کہ روح کا تعلق بدن کے ساتھ پانچ قسم کا ہے۔

۱۔ پہلا تعلق ماں کے شکم میں، یہ تعلق ضعیف ہے کیونکہ ہنوز ارتقاء میں ہے۔

۲۔ دوسرا تعلق پیدا ہونے کے بعد بیداری کی حالت میں

عمر بھر تک، یہ تعلق پہلے سے قوی ہے۔

۳۔ تیسرا تعلق نیند کی حالت میں، یہ تعلق کمزور اور ضعیف ہے کیونکہ خواب میں رُوح کا تعلق عالمِ برزخ سے ہو جاتا ہے، اور خواب میں جو کچھ انسان دیکھتا ہے اس عالمِ برزخ کی سیر کا نتیجہ ہے۔

۴۔ چوتھا تعلق برزخ کا یا موت کے بعد کا ہوتا ہے اس میں موت کے سبب سے اگرچہ رُوح بدن کو چھوڑ دیتی ہے لیکن رُوح اور بدن میں بالکل جُدائی نہیں ہوتی بلکہ بدن کے ساتھ روح کا ایک تعلق اور واسطہ باقی رہتا ہے۔ رُوح کے ایک جگہ سے دوسری جگہ آنے جانے میں کچھ دیر نہیں ہوتی پلک مارنے میں آتی اور چلی جا سکتی ہے۔ جس طرح سوتا ہوا آدمی خواب دیکھتا ہے کہ آن کی آن میں اس کی روح اس عالم کی زیادہ سیر کر لیتی ہے بلکہ کبھی ساتوں آسمانوں کے اوپر تک بھی سیر کرتی ہے۔ اسی تعلق کی وجہ سے قبر کی زیارت مسنون ہوئی ہے۔ زیارت کرنے والوں کا سلام رُوح سنتی ہے اور جواب دیتی ہے یہ تعلق قیامت تک باقی رہتا ہے۔

جو لوگ زیارتِ قبور کے سلسلے میں منع کرتے ہیں اس کے متعلق عرض کروں کہ بے شک آغازِ اسلام میں مسلمانوں کو قبر دل کی زیارت سے حضورؐ نے منع فرمایا تھا اس لئے کہ لوگ اپنے باپ دادا

کی قبروں میں جاکر قدیم رسم و رواج اور اپنے بزرگوں کے طور طریق یاد کر کے کفر و شرک میں مبتلا نہ ہوں۔ جیسا کہ ابنِ ماجہ کی حدیث میں وارد ہے کہ جنابِ رسول اللہؐ نے فرمایا کہ میں نے تم کو پہلے قبروں کی زیارت سے منع کر دیا تھا مگر اب قبروں کی زیارت کیا کرو۔ کیونکہ قبروں کو دیکھنے سے دنیا سے بے رغبتی ہوتی ہے اور آخرت یاد آتی ہے۔ جب تعلیم اسلام سے لوگ بہرہ ور ہو گئے تو حضورؐ نے بذاتِ خود قبرستان جاکر اہلِ مقابر کے لئے دُعا فرمائی۔ قبرستان میں ہنسنا، کھانا، آگ جلانا، دنیا کی باتیں کرنا، ڈھول تاشے بجانا، ناچنا یا اور جو کچھ قبرستان یا مزاراتِ اولیاء کرام پر ہو رہا ہے خلافِ شرع ہے، خلافِ سنت، ناجائز اور قطعاً حرام ہے۔ زیارتِ قبور کے لئے حدیث پیشِ خدمت ہے :-

"حدیث، رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے حضرت عائشہؓ نے فرمایا، رسول اللہؐ کی باری جب میرے پاس ہوتی تھی تو آخر رات میں بقیع (قبرستان) کی طرف نکل جاتے تھے اور فرماتے تھے سلام ہے تم پر اے گھر والے مومنو! آچکا تمہارے پاس جس کا تھیں وعدہ تھا کہ

تکل پاؤ گے ایک مدّت کے بعد اور ہم اگر اللہ
نے چاہا تم سے ملنے والے ہیں یا اللہ بخش
بقیع مرقد والوں کو۔" (حدیث صحیح مسلم شرح نودی)

۵۔ پانچواں تعلق جب قیامت کے دن قبر سے اٹھائے جائیں گے۔ یہ تعلق نہایت قوی اور کامل ہے کہ کمزور نہیں ہو سکتا اور نہ زائل ہو سکتا ہے کیونکہ اب بدن سڑنے اور گلنے کا نہیں ہے اور نہ اب نیند ہے نہ موت۔

ارواح کی چار قسمیں ہیں :۔

۱۔ ارواح انبیاء۔ علیہ السلام کی۔

۲۔ دوسری ارواح نیکو کار مومنوں کی۔

۳۔ تیسری بد کار مومنوں کی۔

۴۔ چوتھی ارواح کفار و مشرکیں کی۔

ارواح اپنے اپنے اعمال کے لحاظ سے درجہ بند رکھی جاتی ہیں بعض علیین کے اعلی درجے میں یہ پیغمبروں کی روحیں ہیں۔ اسی طرح بتدریج اعمال کے لحاظ سے اور بعض ان میں اپنی قبروں ہی تک محدود ہوں گی اور ان پر ثواب یا عذاب ہوتا رہے گا۔ اور بعض ساتوں طبقوں کے نیچے قید کی جائیں گی۔ اور عذاب

میں گرفتار ہوں گی۔ یہ روحیں مشرکین اور کفّار کی ہوں گی اور اُن کا اندراج سجّین کے دفتر میں ہوگا۔

(ماخوذ نورالصدور)

بدن اور رُوح میں ایک ربط و تناسب اور تاثیر و انفعال ہے۔ رُوح پر گزرنے والے واقعات کا ادراک جسم سوتے میں کرتا ہے کہ نکلنے کے بعد بھی رُوح کا اس سے تعلق رہتا ہے۔ یہی وہ تعلق ہے جسے ہم روحِ مقامی سے موسوم کرتے ہیں۔

درحقیقت رُوح تو ایک ہی ہے جسے ہم رُوحِ حقیقی یا معنوی سے تعبیر کرتے ہیں۔ رُوحِ سیلانی اور روحِ مقامی اسی کے دو مختلف کردار ہیں۔

یہ اسی تاثیر و انفعال کی وجہ ہے کہ موت کی گھڑی جُدا ہوتے وقت کہا جاتا ہے کہ اے پاکیزہ رُوح جو پاکیزہ بدن میں ہے اور اے گندی رُوح جو گندے جسم میں ہے۔ تو اس عالمِ وجود میں انسان اپنا مقام تعیّن کرنے کے لئے آیا تاکہ ایک دوسرے سے ممتاز ہو۔

انسان کے دوسرے مرحلے میں آتے ہی وہ دستوری پابندیوں کا دور شروع ہوتا ہے۔ رضاعت کا زمانہ آغوشِ مادر

میں ایک معیّنہ مدّت تک تکمیل زندگی ہوتی ہے۔ یہیں سے پہلا سبق کہ یہ تیرا باپ ہے۔ مجازی ربّ متصوّر ہوتا ہے، ہر خواہش کی تکمیل بلا تکلف ہوتی رہتی ہے حتیٰ کہ اس کی خواہش سے پہلے وہ اسباب مہیا ہو جاتے ہیں جس کی نہ تو اس نے تمنّا کی اور نہ ہی اظہار، تقریباً سنِ شعور تک اسی عالم میں بے فکری سے گزرتا رہتا ہے۔

بہ حیثیتِ ربّ مجازی آپ خوراک و لباس کی فراہمی کے علاوہ تعلیم و تربیّت سے آراستہ کرتے ہوتے اس کے مستقبل کے لئے نیک و بد سمجھاتے ہیں اور بالکل وہی بات آپ کہتے ہیں جو خدا آپ سے کہتا ہے۔ الفاظ چاہے کچھ ہوں لیکن مفہوم اس کا وہی قرآن ہے دیکھئے رب مجازی کی حیثیت سے آپ انھیں ڈراتے اور تنبیہہ بھی کرتے ہیں تو یہ سب انہی کے نفع کے لئے اسی طرح ربِ حقیقی آپ سے فرماتے ہیں اگر تم نے میرے پند و نصائح پر عمل نہ کیا تو ذلت و رسوائی تمھارا مقدر بن جائے گی، ارشادِ باری ہے۔

"اور جو اللہ اور اس کے رسولؐ کی نافرمانی کرے گا اور اس کی حدوں سے نکل جاتے

گا اس کو خدا دوزخ میں ڈالے گا جہاں وہ ہمیشہ رہے گا اور اسے ذلت کا عذاب ہوگا۔"

(۴/۱۴)

پھر رب تعالیٰ تنبیہہ فرماتے ہیں:۔

"وہ لوگ کہ جنھوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی مول لی اور بخشش کے بدلے عذاب تو کس درجہ ان میں آگ کی سہار ہے۔"

(۲/۱۷۵)

مندرجہ بیانات کی روشنی میں ہر لحاظ سے طے ہو چکا ہے کہ ہمیں بمطابق منشائے ایزدی اس زندگی میں اپنی اخروی زندگی کے لئے جو کہ ابدی ہے سنوارنے میں کوشاں رہنا چاہیئے۔ بصورتِ دیگر ان تمام حقیقتوں سے فرار ہوگا اور اس فرار کا خمیازہ ادھر بھی عدمِ تحفظ، بے سکونی اور بے مقصد زندگی کی صورت میں اور اخروی زندگی میں دردناک عذاب کی صورت میں بھگتنا ہوگا۔

قرآن حکیم میں رب تعالیٰ نے فرمادیا ہے کہ:۔

"کیا انسان خیال کرتا ہے کہ اسے یونہی چھوڑ دیا جاتے۔"

(۷۵/۳۶)

اور سورۃ مومنون میں فرماتے ہیں:۔

"تو کیا یہ سمجھتے ہو کہ ہم نے تمھیں بے کار بنایا
اور تمھیں ہماری طرف پھرنا نہیں"

(۱۲۳/۱۱۵)

غور و فکر کے بعد فیصلہ کریں یہ کس طرح ممکن ہے، ہم جزوی عقل اور علم رکھنے والے اپنے علم و عقل کی کسوٹی پر ایمان اور اعتقاد کی بنیاد رکھیں جو ہمیں کیوں کیا کیسے میں الجھا کر ارتداد کی طرف لے جاتے گا۔ لہٰذا اس کے بغیر چارہ ہی نہیں کہ آنکھ بند کر کے اس علم کل اور عقلِ کل کی باتوں پر ایمان لے آئیں اور بلا کسی قسم کا شرک کرتے ہوئے ایمان بالیقین اور شک و شبہ سے بالاتر ہو کر احکام کی بجا آوری میں لگ جائیں جو کہ ہمیں کتاب اللہ اور سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کے ذریعے رب تعالیٰ نے نعمتِ عظمیٰ کی صورت میں عطا فرماتے ہیں۔

ارشادِ باری ہے:۔

(ترجمہ) "اور اللہ نے تم پر کتاب اور حکمت اتاری
اور تمھیں سکھا دیا جو کچھ کہ تم نہ جانتے تھے
اور اللہ کا تم پر بڑا فضل ہے۔" (۴/۱۱۳)

سوال ۵:۔ اسی مجلس میں حاضرین میں سے کچھ نے ایمان اور کیفیتِ ایمان کے حصول کے بارے میں سوالات کئے جن کے جوابات دیتے ہوئے شاہ صاحب نے فرمایا کہ پہلے یہ جان لیجئے ایمان کیا ہے۔

تعریفِ ایمان

یعنی وہ چیز جو ہم سے غیب یعنی ہمارے ادراک و فہم سے بالاتر ہم اس پر پورا پورا ایقان رکھیں تعریفِ ایمان اس طرح تعلیم ہے:۔

"میں ایمان لایا اللہ پر اور اس کے فرشتوں
پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں
پر اور قیامت کے دن پر اور اچھی اور بُری
تقدیر پر جو اللہ کی طرف سے ہے اور

زندگی بعد از موت پر۔" (ترجمہ ایمان مفصل)

یہ تو ہوئی تعریفِ ایمان۔ جب ہم وعملو الصّٰلحٰت کی شرط کے ساتھ ایمان بالیقین لے آتے ہیں۔ تو رب تعالیٰ کے فضل سے وہ ایمان کی عقل عطا ہوتی ہے کہ ہر سو ربّ کائنات کے جلوے جو کہ ہر آن نئے نئے انداز نئی سج دھج سے وقوع پذیر ہوتے رہتے ہیں، عرفان ہوتے ہیں جیساکہ سورۃ رحمٰن میں ارشاد ہے۔

"وہ ہر وقت اپنی قدرت کے آثار ظاہر فرماتا ہے۔"

اور اسے وہ ذوقِ ایمانی نصیب ہوتا ہے کہ وہ ہر حکم ربّانی محبّت اور شوق سے بجالانے میں کوشاں ہوجاتا ہے جن کی تعریف میں رب تعالیٰ فرماتے ہیں:۔

(ترجمہ آیت) "وہ مرد جنھیں غافل نہیں کرتا کوئی سودا
اور نہ خرید وفروخت، اللّٰہ کی یاد اور نماز
برپا رکھنے اور زکوٰۃ دینے سے۔"

(اقتباس $\frac{۲۴}{۳۷}$)

یہی وہ کیفیّتِ ایمانی ہے جس کے نتیجے میں وہ اپنے وجود میں اس سرور وشادمانی سے متعارف ہوتا ہے جس کے لئے رب وعدہ فرماتے ہیں۔

(ترجمہ آیت) "جو شخص نیک عمل کرے گا مرد ہو یا عورت
اور وہ ایمان بھی رکھتا ہو تو ہم دنیا میں بھی
اس کی زندگی اچھی طرح بسر کرائیں گے اور
ان کو آخرت میں بھی، ان کے ان بہترین اعمال
کا صلہ ضرور عطا فرمائیں گے۔" ($\frac{۱۶}{۹۷}$)

سوال:۔ کیفیّتِ ایمان کیونکر حاصل ہوسکتی ہے؟

جواب:۔ جو تعلیم ہمیں تعریفِ ایمان میں ملتی ہے اس کو دل سے ماننا اور تمام خدا کے احکامات کی بجاآوری کے لئے خود کو مستحکم کرکے ان کو عملی صورت میں لانے کے لئے کوشاں ہوجانا۔

ہم سب جانتے ہیں وعملو الصّٰلحٰت کی بنیاد بعد از ایمان صدقِ مقال اور رزقِ حلال پر ہے جن کے اوپر ہی ارکانِ دین کے پانچ ستون تعمیر کئے جاتے ہیں جو کہ:۔

کلمہ پڑھنا
نماز برپا رکھنا
روزہ رکھنا
زکوٰۃ ادا کرنا
اور بالاستطاعت حج کرنا کی ترجمانی کرتے ہیں۔

اب جیسے جیسے آپ حقوق اللہ اور ساتھ ساتھ حقوق العباد کو محسوس کرتے اور بجا آوری کرتے جائیں گے یعنی با استطاعت تو پھر رب تعالیٰ کی رضا اور فضل و کرم سے کیفیتِ ایمانی اور اس کے نتائج سے بہرہ ور ہوں گے جس کا رب نے مندرجہ بالا آیتوں میں وعدہ فرمایا ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی رب فرماتے ہیں :۔

"اللہ والی ہے ایمان والوں کا انھیں اندھیروں سے نور کی طرف نکالتا ہے"۔ (اقتباس ۲/۲۵۷)

الحاصل اللہ تبارک تعالیٰ کے احکامات کی تعمیل دل و جان سے کرتے ہی میں ہماری دین و دنیا کی فلاح وابستہ ہے۔ اور وہی تو ہمارا والی ہے، بڑی طاقتوں اور عظمتوں والا تمام کائنات کا حاکم اور اسی کے پاس تو ہمیں لوٹ کر جانا ہے۔ انسان ذرا سوچ تو سہی کہ میرے تئیں ہے کیا کہ اس کی بندگی نہ کروں۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ کیا اسباب ہیں جن سے حقِ بندگی ادا ہو اور رضائے الٰہی کا حصول ہو، تو اس کے لئے خود رب تعالیٰ فرماتے ہیں :۔

(ترجمہ) "اے پیغمبرؐ تم لوگوں سے فرما دو کہ اگر تم خدا کو دوست رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، خدا

بھی تمھیں دوست رکھے گا اور تمھارے گناہ معاف کر دے گا اور خدا بخشنے والا مہربان ہے"۔

(۳/۳۱)

پھر فرمانِ باری تعالیٰ ہے :۔

(ترجمہ) "جو شخص رسولؐ کی فرمانبرداری کرے گا تو بے شک اس نے خدا کی فرمانبرداری کی"۔

(اقتباس ۴/۸۰)

اور جو شخص اطاعتِ رسول کا منکر ہو ایسے شخص کے لئے ارشادِ باری ہے :۔

(ترجمہ) "کہہ دو کہ خدا اور اس کے رسولؐ کا حکم مانو اگر نہ مانیں تو خدا بھی کافروں کو دوست نہیں رکھتا"۔

(۳/۳۲)

مندرجہ بالا آیات کی روشنی میں معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ ہمیں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلّم کے اسوۂ حسنہ پر چلنے کی تاکید فرماتے ہیں اور یہ کہ اطباعِ رسولؐ گویا اللہ کی اطاعت ہے۔ جسے اللہ نے خود ہی مشروط کر دیا ہے تو آخر یہ سوال ہوتا ہے کہ ہم رسولِ اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کو کس طرح مانیں، پہچانیں تا کہ

اطیعو اللہ اور وَاطیعوالرّسول کے مشروط مقاصد حاصل ہو سکیں اس سلسلے میں مَیں آپؐ کی ذاتِ مبارکہ کو قرآنِ حکیم کی روشنی میں پیش کرنا چاہوں گا، تاکہ لوگ محبوبِ ربّانی کی عظمت کا صحیح صحیح فہم و ادراک کرلیں۔

شاہ صاحب ضلع دادو کے تھکا دینے والے سفر سے واپس ہوتے تو کوٹڑی میں اللہ کے لئے محبّت کرنے والوں کا پھر ہجوم اکٹھا ہوگیا۔ اور مختلف محفلوں میں جو سوالات شاہ صاحب سے کئے گئے اور آپ نے جو جوابات دیئے وہ یہاں نقل کئے جارہے ہیں۔

سوآل :۔ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مبارکہ کو ہم کس طرح مانیں پہچانیں کہ واطیعو اللہ اور وَاطیعوالرّسول کے مشروط مقاصد حاصل ہوسکیں۔؟

جواب :۔ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلّم (فداامّی وابّی)

یا صاحب الجمال ویا سیّد البشر
من وّجہک المنیر القد نوّر القمر
لا یمکن الثّنا کما کان حقہٗ
بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر۔

اولادِ آدم کی فلاح و بہبود دنیوی اور اخروی کے پیشِ نظر آدمؑ سے لے کر وقتاً فوقتاً پیغمبر مبعوث ہوتے رہے اور بمطابق منشائے ربی لوگوں کو گمراہی سے بچانے کے لئے ہدایات دیتے رہے۔ یہ سلسلہ سرکارِ دو عالم خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تک جاری تھا۔ جیسا کہ رب تعالیٰ نے آپ پر یہ آیت نازل فرما کر دین مکمل کر دیا۔

"آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر
دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے
لئے اسلام کو دین پسند کیا۔"

(اقتباس ۵/۳)

ہمیں یہ معلوم ہوا اللہ تبارک تعالیٰ نے نورِ محمدی کو سب سے پہلے پیدا فرمایا جیسا کہ مندرجہ ذیل حدیث اور آیتِ قرآنی اس بات پر شاہد ہیں۔

"اللہ نے میرے نور کو سب سے پہلے پیدا فرمایا"

(حدیثِ رسولؐ)

"اور مجھے حکم ہے کہ میں سب سے پہلے گردن رکھوں"

(۳۹/۱۲)

تشریح: یعنی فرمانبرداری کروں اور اہلِ طاعت و اخلاص میں مقدم و سابق ہوں۔

ایک مثال عرض کرتا چلوں اس عالم میں اگر کوئی شخص مکان کی تعمیر کا ارادہ کرتا ہے۔ تو وہ سب سے پہلے اپنے ذہن کے اس تخیل کو بروئے کار لانے کے لئے ایک نقشہ بناتا یا بنواتا ہے اس کے بعد تمام تعمیراتی اشیاء جمع کرتا ہے، تعمیرِ مکان شروع ہوتی ہے، پہلے بنیادیں کھودی جاتی ہیں پھر اس پر دیواریں بنائی جاتی ہیں، چھتیں ڈالی جاتی ہیں اور رنگ و روغن سے آراستہ و مزین کرنے کے بعد ایک دلکش و دلفریب مکان وجود میں آجاتا ہے سوچنا یہ ہے اس مکان میں یا تو وہ خود رہے یا کسی کو رکھے اگر ایسا نہیں ہے تو تعمیرِ مکان بے معنی ہے۔

رب تعالیٰ نے اس دنیا کو اپنے انداز اور حکم سے بنا کر کوئی فعل لایعنی تو نہیں کیا بلکہ کسی کے لئے کیا وہ کون ہو سکتا ہے خود تو رب تعالیٰ لامکان ہیں پھر یہ مکانیت صرف، اور صرف، محبوبِ ربانی سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بنائی گئی۔ اب حضرت آدمؑ کو پیدا فرمایا۔ اپنے دستِ قدرت سے حوّا کو ان کا انیس و جلیس ٹھہرا کر اس دنیا میں کسی معروف طریقے سے

اتار دیا اور ارتقائے منشائے ایزدی کی تکمیل ہونا شروع ہوگئی۔

انی جاعلٌ فی الارضِ خلیفہ کی تفسیر ہوگی اور بعد بھی

جتنے نبی یا پیغمبر آتے آپ ہی کے نقیب بن کر آتے۔ جیسا کہ

ارشادِ ربِ تعالیٰ ہے:۔

"اور یاد کرو جب عیسیٰؑ ابن مریم نے کہا بنی

اسرائیل میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں

اپنے سے پہلی کتاب توریت کی تصدیق کرتا

ہوا اور اُن رسول کی بشارت سناتا ہوا جو میرے

بعد تشریف لائیں گے ان کا نام احمدؐ ہے"

(اقتباس ۲۸ پ)

تخلیقِ کائنات کا انحصار اللہ تبارک تعالیٰ نے چار عناصر

پر مجتمع فرمایا ہے:۔

۱۔ جمادات

۲۔ نباتات

۳۔ حیوانات

اور ۴۔ اشرف المخلوقات یعنی انسان۔

ان چار عناصر کو ایک دوسرے پر فوقیت عطا فرمائی مکتر

درجے کے عنصر کو اپنے سے برتر پر قربان ہونا باعثِ ارتقائے

کائنات ہوا۔ جمادات اپنے سے اعلیٰ عنصر نباداتِ پر قربان،

نباتات اپنے سے برتر حیوانات پر قربان ہوکر اُن کی زندگی کا

سبب بنا۔ حیوانات نے۔ اشرف المخلوقات انسان پر لپوری زندگی

نچھاور کر کے منشائے ایزدی کی تکمیل کر دی۔ اب رہے حضرتِ

انسان ان کی ساری زندگی مرہونِ منت ہے ؟؟؟

صفرا۔

بلغم

سودا

خون

صفرا ـــــ بلغم ـــــ پانی ـــــ سودا ریاہوا ـــــ

خون، مٹی۔ سوداویت ترشی پسند کرتی ہے علیٰ ہٰذا القیاس۔

صفائی خون چار باتوں سے حاصل ہوتی ہے:۔

۱۔ خون کو ہلکا کرتے اور اس کے ثقل کو ضائع کرنے سے،

کیونکہ جس قدر خون بھاری ہوگا، اسی قدر اس میں خباثت ہوگی،

شہوات کی کثرت ہوگی۔

۲۔ بو کی صفائی۔ اس کی پہچان یہ ہے کہ بُو گندھے ہوئے آٹے

کی سی ہو گی، اگر خون خبیث ہو گا اس کی بُو سڑی ہوئی کیچڑ جیسی ہو گی۔

۳۔ رنگ کی صفائی۔ اس کی علامت یہ ہے خون زردی مائل ہو گا کیونکہ خونِ فاسد کا رنگ سیاہی مائل ہوتا ہے۔ اور جتنا زیادہ سیاہی مائل ہو گا اسی قدر فسادِ خون بھی زیادہ ہو گا۔

۴۔ مزے کی صفائی:۔ اس کی شناخت یہ ہے کہ خون میٹھا ہو کیونکہ فاسد خون کا مزہ جلی ہوئی چیز کا سا ہوتا ہے۔

جب صاف جوہر خون رگوں میں دوڑے گا شہوات اور معاصیت کے امکانات کم ہو جائیں گے جب جسم کے اندر حسّی صفائی حاصل ہو گی تو پھر روح معنوی صفائی سے اس کی مدد کرے گی اور اسے تمام جواہر کے ساتھ معرفتِ الٰہی حاصل ہو جائے گی اور چونکہ ذاتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم روحِ شریف محیط اور اس کے تمام اسرار کو حاصل کر چکی ہے اس لئے اُسے حسّی اور معنوی دونوں قسم کی صفائی حاصل ہو چکی۔ قرآنِ حکیم میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:۔

ترجمہ۔ پھر اس جلوے نے قصد فرمایا۔

پھر وہ جلوہ نزدیک ہوا پھر خوب اتر آیا۔

تو اس جلوے اور محبوب میں دو کمان کا فاصلہ رہا بلکہ اس سے بھی کم۔

اب وحی فرمائی اپنے بندے کو جو وحی فرمائی۔

(تشریح۔ یعنی بے واسطہ وحی فرمائی۔)

دل نے جھوٹ نہ کہا جو دیکھا۔

تشریح۔ یعنی قلبِ مبارک نے اس کی تصدیق کی جو چشمِ مبارک نے دیکھا آپ دیدارِ الٰہی تبارک تعالیٰ سے مشرّف فرمائے گئے۔

(۲۷ / ۱۱تا۶)

ازاں بعد ضمناً میں آپ کی توجہ شق الصدر جو کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرشتوں کی معرفت ہوا۔

۱۔ پہلی مرتبہ بچپن میں جب آپ بکریاں چرایا کرتے تھے۔

۲۔ دوسری مرتبہ سنِ بلوغت کے وقت۔

۳۔ تیسری مرتبہ نبوّت کے وقت۔

۴۔ چوتھی مرتبہ معراج کے وقت۔

یہاں میں اللہ کا فرمان الم نشرح لک صدرک پیش کرتے ہوئے مزید تفصیلات سے گریز کرتے ہوئے حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز کی تفسیر عزیزی میں تفسیر الم نشرح کا حوالہ دوں گا۔

بغیر فضلِ خدا نعمت ہو نہیں سکتی

سفینہ چاہیئے اس بحرِ بیکراں کیلئے

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلّم کے متعلق بہت کچھ لکھا جا چکا ہے بہت کچھ لکھا جا رہا ہے اور بہت کچھ لکھا جاتے گا۔ لیکن میرا ایمان ہے جس طرح ربّ ذو الجلال اپنی تعریف و توصیف کے لئے فرماتے ہیں۔

(ترجمہ) "تم فرما دو اگر سمندر میرے رب کی باتوں کے

لئے سیاہی ہو تو ضرور سمندر ختم ہو جائے

گا اور میرے رب کی باتیں ختم نہ ہوں گی،

اگرچہ ہم ویسا ہی اور اس کی امداد کو لے آئیں"

($\frac{18}{109}$)

یعنی تم فرماؤ اللہ کی صفات بیان یا ضبطِ تحریر کرنے کے لئے اگر ساری دنیا کے درختوں کے قلم بنا لئے جائیں اور ساری دنیا کے سمندروں، دریاؤں، ندی نالوں کے پانی کی سیاہی بنا لی جائے تو وہ بھی خدائے بزرگ و برتر کے علم و حکمت کے کلمات کی تعریف و توصیف میں ختم ہو جائے گی اور اس کے بعد اتنا ہی سامان مزید مہیا کیا جائے اور پھر لکھا جائے تو وہ بھی

نا کافی ہو گا۔

میں جو کچھ عرض کر رہا ہوں اس سے قبل میں چاہوں گا کہ بتاتا چلوں میرے عقیدے پر اگر پہلو ملے تو تنقید اور تبصرے سے آپ ضرور مطلع کریں۔

تقریری یا تحریری، دانستہ یا نادانستہ غلطی کے امکانات تقاضائے بشری ہیں اور میں ان تقاضوں سے بالاتر نہیں لیکن عقیدے میں الفاظ کی ہیر پھیر یا کسی دنیاوی مصلحت کی آمیزش کو گناہِ عظیم متصور کرتا ہوں۔ میرا عقیدہ ہے مالکِ حقیقی کے ادب و احترام میں ذرا سا گستاخی کا شائبہ بھی ایک مسلمان کا سرمایۂ ایمان برباد کر دے گا۔ مقامِ رب اور مقامِ رسولؐ میں کسی بھی عنوان سے افراط و تفریط ہرگز۔ ہرگز نہ ہونی چاہیئے۔

لہٰذا میں یہ پسند کروں گا کہ قرآنی آیات کی غلط تاویلات پیش کروں اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کی ذاتِ گرامی کو شوقِ محبت اور عقیدت میں کوئی ایسی بات کہہ دوں جس سے اپنا سرمایۂ ایمان ہی کھو بیٹھوں۔

اب آپ غور فرمائیں رب تعالیٰ نے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلّم کی تعریف و توصیف میں جو کچھ فرمایا ہے اس میں بھی وہی

سیاہی اور قلم کارفرما نظر آتے ہیں مثلاً جہاں رب تعالیٰ اپنے لئے رب العالمین فرماتے ہیں وہاں پیارے نبیؐ کو رحمت العالمین کے خطاب سے سرفرازی بخشتے ہیں۔

فرماتے ہیں :۔

"اور ہم نے تمھیں نہ بھیجا مگر رحمت سارے

جہانوں کے لئے" (۲۱/۱۰۷)

ربوبیت کے ساتھ رحمت و رافت ملزوم ہوتی ہے جب آپ ربوبیت کی تعریف فرما رہے ہوں گے تو اس میں رب کی رحمتوں کے سلسلے میں رحمت العالمین صاف نظر آرہے ہوں گے جن کا

ہر ایک وصف ہے عنوان صد ہزار اوصاف

کہاں سے لائے گا طاقت کوئی بیاں کے لئے

فرمانِ رب تعالیٰ ہے :۔

"اور ہم نے تمھارے لئے تمھارا ذکر بلند کر دیا"

(۹۴/۴)

بلندی یہ کہ جب رب کا ذکر کیا جاتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی ذکر کیا جاتے مراد اس سے یہ اذان میں، تکبیر میں، تشہد میں، منبروں پر خطبوں میں وغیرہ وغیرہ سید عالمؐ کی رسالت کی

گواہی سب میں ضروری ہے حتیٰ کہ لا الٰہ الا اللہ کے ساتھ محمد الرسول اللہ نہ ملایا جاتے تو مسلمان ہی نہیں ہوتا۔

اس کے ساتھ ساتھ رب تعالیٰ خود عظمتِ رسول اور محبتِ رسول کا سبق سکھاتے ہیں، فرماتے ہیں۔

(ترجمہ) "بے شک اللہ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے

ہیں اس غیب بتانے والے (نبیؐ) پر اے ایمان

والو ان پر درود اور خوب سلام بھیجو"

(۳۳/۵۶)

اسی کی یاد اجالا اسی کا ذکر شعور

اسی کا نام وظیفہ قرارِ جاں کیلئے

اب میں چند آیتیں پیش کرنا چاہوں گا جن میں اللہ تبارک تعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی کو اس طرح متعارف کراتے ہیں :۔

"بے شک تمھارے پاس تمھی میں سے وہ رسول

تشریف لائے جن پر تمھارا مشقت میں پڑنا

گراں ہے تمھاری بھلائی کے نہایت چاہنے

والے مومنوں پر نہایت شفقت کرنے والے

اور مہربان ہیں۔“ (۹/۱۲۸)

”وہ رسول کہ تم پر اللہ کی روشن آیتیں پڑھتا ہے تاکہ انھیں جو ایمان لاتے اور اچھے کام کیے اندھیروں سے اجالے کی طرف لاتے۔“

(۶۵/۱۱)

”یہ نبیؐ مومنوں پر ان کی جان سے بھی زیادہ حق رکھتے ہیں اور اس کی بیبیاں ان کی مائیں ہیں اور رشتہ والے اللہ کی کتاب میں ایک دوسرے سے زیادہ قریب ہیں بہ نسبت اور مسلمانوں سے اور مہاجروں سے مگر یہ کہ تم اپنے دوستوں پر احسان کرو یہ حکم کتاب میں لکھ دیا گیا ہے۔“ (۳۳/۶)

”اے ایمان والو! اپنی آوازیں اونچی نہ کرو اس غیب بتانے والے (نبیؐ) کی آواز سے اور اُن کے حضور بات چلا کر نہ کہو جیسے آپس میں ایک دوسرے کے سامنے چلاتے ہو کہ کہیں تمھارے عمل اکارت نہ ہو جائیں اور

تمھیں خبر نہ ہو۔“ (۴۹/۲)

”وہ جو تمھاری بیعت کرتے ہیں وہ تو اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے پھر جو عہد کو توڑے تو عہد توڑنے کا نقصان اس کو ہے اور جس نے پورا کیا وہ عہد جو اس نے اللہ سے کیا تھا تو بہت جلد اللہ اسے بڑا ثواب دے گا۔“

(۴۸/۱۰)

مندرجہ بالا آیات پر ذرا غور تو فرمائیں، احترامِ رسولؐ میں ذرا سا فرق یا کوئی بھی ایسا خیال جس سے تقدسِ نبی جاتا ہے ایمان اور عمل کے اکارت ہو جانے کے مترادف ہے۔ ادب کا یہ مقام ہے رب تعالیٰ فرماتے ہیں تم کاشانہ نبیؐ پر آواز دے کر اُن کو نہ بلاؤ بلکہ اُن کی آمد کا انتظار کرو، احترامِ نبیؐ سے ہی تمھارے تقویٰ کا امتحان مقصود ہے۔ سوچئے بڑی احتیاط کا مقام ہے۔ اب دیکھیے رب تعالیٰ کا فرمان ہے:۔

(ترجمہ) ”اور جو کچھ تمھیں رسول عطا فرمائیں وہ لو اور جس سے منع فرمائیں باز رہو اور اللہ سے

ڈرو بے شک اللہ کا عذاب سخت ہے۔"

(۵۹/۷)

(ترجمہ) "تمھارے پروردگار کی قسم یہ لوگ جب تک اپنے تنازعات میں تمھیں منصف نہ بنائیں اور جو فیصلہ تم کر دو اس سے اپنے دل میں تنگ نہ ہوں بلکہ اس کو خوشی سے مان لیں تب تک مومن نہیں ہوں گے۔" (۴/۶۵)

ان تمام آیات کی روشنی میں احترامِ رسولؐ اور عظمتِ رسولؐ عیاں ہے۔ اس طرح کی بہت سی آیتیں قرآنِ حکیم میں جگہ جگہ نازل ہوتی ہیں تاکہ لوگ محبوبِ کبریا کی عظمت کا صحیح صحیح فہم و ادراک کر لیں اور جان لیں اطاعت رسولؐ اطاعتِ رب ہے۔ اور میں تو کہوں گا احترامِ نبیؐ اور محبتِ رسولؐ جزوِ ایمان ہے کہ تکمیلِ ایمان اسی سے ہے۔ اور محبت و عقیدتِ رسولؐ کا تقاضا یہی ہے کہ اطاعتِ رسولؐ کی بجاآوری میں ایک مسلمان اپنے دل میں کوئی تنگی اور شبہہ محسوس نہ کرے۔ کیونکہ غلامیٔ رسولؐ سے ہی کلّی اطاعتِ رب ہے۔ یہ جاننا چاہیئے نبیؐ جی اپنی طرف سے کوئی بات کرتے ہی نہیں۔ جیسا کہ مندرجہ ذیل آیات شاہد ہیں:۔

"کہہ دو کہ میری نماز اور میری عبادت اور میرا جینا اور میرا مرنا سب خدائے رب العالمین کے لئے ہے جس کا کوئی شریک نہیں اور مجھ کو اس بات کا حکم ملا ہے اور میں سب سے اوّل فرمانبردار ہوں۔" (۶/۱۶۲-۱۶۳)

"اور وہ کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کرتے وہ تو نہیں مگر وحی جو انہی کی طرف کی جاتی ہے، سکھایا سخت قوتوں والے طاقتور نے۔"

(۵۳/۵،۳،۴)

"اسی کی ذاتِ گرامی ہے فخرِ موجودات
شرف اسی کی غلامی ہے انس و جاں کیلئے۔"

(الف) لہٰذا میں یہ واضح کر دینا چاہوں گا کہ میرے ایمان کی بنیاد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں وہی ہے، جسے قرآن ثابت کرتا ہے:۔

۱۔ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ فرمان جو متفقہ علیہ ہے کہ تمھارا ایمان اس وقت تک مکمل نہ ہوگا جب تک تم مجھے اپنی جان و مال اور اولاد سب سے عزیز تر نہ سمجھو گے اور

قرآن حکیم میں ارشاد ہے۔

"کہہ دو اگر تمھارے باپ اور بیٹے اور بھائی

اور عورتیں اور خاندان کے آدمی اور مال جو

کماتے ہو اور تجارت جس کے بند ہونے سے

ڈرتے ہو، خدا اور اس کے رسولؐ سے اور خدا

کی راہ میں جہاد کرنے سے تمھیں زیادہ عزیز

ہوں تو ٹھہرے رہو یہاں تک کہ خدا اپنا

حکم یعنی عذاب بھیجے اور خدا نافرمان لوگوں

کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔" $(\frac{9}{24})$

۲۔ رسولؐ کی محبت عین اللہ کی محبت ہے۔

۳۔ اور میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مطہرہ ومبارکہ کو چشمۂ معرفت، ہر جا جلوہ فرما، متصف بالنور، متصف بالغیبؐ افضل الانبیاء اور خاتم الانبیاء بالیقین زبان ودل تسلیم کرنا کمالِ ایمان سمجھتا ہوں اور اپنے اس ایمان کو بحوالہ قرآنِ کریم دکھلانا چاہوں گا تاکہ اس بات کی تصحیح ہوسکے، ہم سرورِ کائنات فخرِ موجودات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مبارکہ کو کس طرح مانیں پہچانیں تاکہ اطیعوا اللہ اور اطیعوا الرسول کے

مطہرہ و مقاصد پورے ہوسکیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ﷺ

حیاتُ النّبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ ۱

پچھلے اوراق میں عرض کرچکا ہوں کہ فنا و بقا کا مشاہدہ وجودِ انسانی کی تخلیق کے فوراً بعد اس طرح ہوتا ہے۔ کہ جب آپ چھ ماہ کے تھے اور پھر دو برس کے ہوتے تو وہ چھ ماہ والا انسان کہاں چلا گیا، کیا مرگیا فنا ہوگیا۔ آخر وہ کہاں ہے۔ اسی طرح بوڑھے میں سے جوان کہاں نکل گیا اور جوان میں سے بچہّ کہاں گیا۔ علیٰ ہذا القیاس۔

ارتقائی منازل طے کرنے کے بعد جب انسان سفرِ آخرت اختیار کرتا ہے تو اس کو یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ انسان کلیتاً ختم ہوگیا بلکہ اس مرحلے پہ ہمیں بتایا گیا ہے جب گھر کا کوئی فرد مرجاتے تو چلا کر نہ رویا جائے نہ ہی بین کیا جائے اس سے مرنے والے کو تکلیف ہوتی ہے پھر غسل دیتے وقت حکم ہے احتیاط سے نہلایا جاتے تاکہ مرنے کو تکلیف نہ ہو۔ دفن کرنے کے بعد جب لوگ روانہ ہوتے ہیں تو مردہ قدموں کی آواز سنتا ہے۔ اس کے فوراً بعد منکر نکیر آکر

سوال جواب کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں حدیث شریف ملاحظہ فرمائیں۔

حدیثِ رسولؐ۔ ترجمہ

"حضرت انسؓ سے روایت ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بندہ جب اپنی قبر میں رکھا جاتا ہے اور اس کو دفن کر کے پیٹھ پھیر لی جاتی ہے اور اس کے ساتھی رخصت ہو جاتے ہیں، یہاں تک کہ جوتوں کی آواز کو سنتا ہے۔ تو اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اور اس کو بٹھا کر کہتے ہیں کہ اس شخص (یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کے متعلق تو کیا کہتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ اللہ کے بندے اور اس کے رسولؐ ہیں تو اس سے کہا جاتا ہے اپنے جہنم کے ٹھکانے کی طرف دیکھ کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے بدلہ میں تجھے جنت کا ٹھکانہ عطا کیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ ان دونوں چیزوں (جنت و جہنم)

کو دیکھے گا اور کافر یا منافق کہے گا، کہ میں نہیں جانتا میں تو وہی کہتا تھا جو لوگ کہتے تھے۔ تو کہا جاتے گا تو نے نہ جانا اور نہ سمجھا پھر لوہے کے ہتھوڑے سے اس کے دونوں کانوں کے درمیان مارا جاتے گا تو وہ چیخ مارے گا اور اس چیخ کو انس و جن کے سوا اس کے آس پاس کی چیزیں سنتی ہیں۔

(حدیث صحیح بخاری شریف باب ۔ ٨٥)

ان تمام معروضات سے میرا مقصد یہ ہے کہ آپ اصل صورتِ حال سے واقفیت حاصل کر لیں اور مرنے کا جو تصور آپ کرتے ہیں ویسا نہیں ہے اس پر ایک حدیث عرض کر دوں کہ،

"مومن کا مرنا ایسا ہے جیسے ایک مکان سے دوسرے مکان میں منتقل ہو جانا۔"

اور اسی لئے لفظ انتقال بہت صحیح ہے۔ عالمِ برزخ کی زندگی ایک نئی قسم کی زندگی ہے جس طرح جسدِ خاکی میں آنے سے ماقبل آپ حواس کے ساتھ زندہ تھے۔ پھر اس جسدِ خاکی کے مختلف مراحل طے ہوتے ہوتے زندگی کا ثبوت دے رہے

تھے اب اس مرحلے میں بھی آپ زندہ ہیں اور عالمِ برزخ میں ہیں جبکہ انبیاء، شہداء، اور صالحین بھی عالمِ برزخ میں اپنے اپنے مقام میں موجود ہیں۔

کتنی عجیب بات ہے ایک معمولی انسان کو تو آپ مندرجہ بالا وضاحتوں کی روشنی میں زندہ سمجھیں لیکن فخرِ موجودات سرورِ کائنات محبوبِ ربّانی سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ پر اعتراضات کریں۔ اس سلسلے میں ایک مشہور واقعہ عرض کروں کہ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ کا وصال ہوا تو آپ نے اپنے وصال سے قبل وصیّت فرمائی کہ مجھے نہلا کر اور کفنا کر حضورؐ کے حجرے مبارک کے سامنے رکھ کر عرض کیا جائے کہ۔

"یارسول اللہ، غلام حاضر ہے اگر حکم ہو تو اندر لایا جائے۔"

اندر سے آواز آئی ——— "آنے دیا جائے۔"

اور حجرے مبارک کے دروازے کھُل گئے۔

کیا یہ شہادت سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات کو تسلیم کرنے کے لئے ناکافی ہے۔ اس کے علاوہ خداوند تعالیٰ

قرآن پاک میں فرماتے ہیں۔

(آل عمران) "اور جو اللہ کی راہ میں مارے گئے ہرگز انھیں مردہ خیال نہ کرنا بلکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں روزی پاتے ہیں شاد ہیں اس پر جو اللہ نے انھیں اپنے فضل سے دیا۔"

(۳/۱۶۹)

یہ تو ان غلامانِ رسولؐ کے لئے ہے جنھوں نے اپنی جانوں کے نذرانے چشمِ ابرو کے اشاروں پر پیش کر دیئے اور یہ اعزاز حاصل کیا۔ تو محبوبِ ربّ العالمین، سید المرسلین، خاتم النبیین کے متعلق ایسا خیال کہ "وہ زندہ نہیں ہیں" کس قدر گستاخی اور بے ادبی کا حامل ہے اور پھر رب کا فرمان کہ مبادہ تمھارے نیک اعمال ادنیٰ سی بے ادبی سے ضائع نہ ہو جائیں اور تمھیں خبر بھی نہ ہو۔

دوسری بات ہم جو کلمہ پڑھتے ہیں صرف لا الٰہ الا اللہ پڑھنے سے مسلمان نہیں ہوتے جب تک محمد الرسول اللہ نہ کہیں۔ اب ذرا غور تو فرمائیں کہ کلمہ کچھ اس طرح ہے کہ نہیں ہے کوئی معبود سوائے اللہ کے اور یہ کہ محمدؐ اللہ کے رسولؐ ہیں۔ یعنی

اللہ ہے رسولؐ ہے۔ لازم ملزوم ہوا۔ اگر ایک کو آپ حاضر
اور دوسرے کو غائب سمجھیں گے تو مسلمان کب ہوتے۔ جو لوگ
حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قائل نہیں تو کیا وہ کلمہ میں اس
طرح تبدیلی کریں گے "اللہ ہے اور رسولؐ تھے"۔ میرا خیال ہے
کوئی مسلمان کلمہ میں تبدیلی کا خیال تک نہیں لا سکتا پس یہ نکتہ
حضورؐ کو زندہ، حاضر و ناظر سمجھنے کے لئے کافی ہے۔ خدا ہمیں
ہدایت دے اور وہ نور کی روشنی عطا فرمائے جس سے جہالت
کی تاریکی سے دور ہو کر ہم مقامِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سمجھتے ہوئے
دولتِ ایمان سے مستفیض ہوں اور ہماری دنیا و آخرت سنور جائے۔

(ت) حضور صلی اللہ علیہ وسلم چشمۂ معرفت

اسی کے حسنِ توجہ سے پار اترے ہیں
ترس رہے ہیں جو سفینے بادباں کیلئے۔

قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے:۔
(ترجمہ) "وہی ہے اللہ جس کے سوا کوئی معبود نہیں،
بادشاہ نہایت پاک سلامتی دینے والا، امان
بخشنے والا حفاظت فرمانے والا، عزت والا

عظمت والا، تکبر والا اللہ کو پاکی ہے ان
کے شرک سے۔"
(۵۹/۲۲)

میں آپ کی توجہ اس آیت مبارکہ کے ھُوَ اللّٰہُ الَّذِی
کی طرف مبذول کرا کر یہ سمجھانے کی کوشش کروں گا کہ اس میں
ھُوَ اللّٰہ یعنی وہی ہے اللہ جس کو میرے پیارے نبیؐ نے ان تمام
توصیفات اور تعریفات سے متعارف کرایا ہے جس کی ایک عام
دنیوی مثال پیشِ خدمت ہے۔

جب عید کا چاند ایک شخص دیکھتا ہے تو کہتا ہے "وہ
۔۔۔" سے لوگ جنہوں نے ہنوز چاند کو نہیں دیکھا حالانکہ
وہ افق پر موجود ہے پھر بھی وہ اس شخص سے پوچھتے ہیں "کس
طرف ہے" وہ شخص ادھر ادھر کی کچھ نشانیاں بتا کر کہتا ہے
دیکھو، دیکھو! ان دو درختوں کے بیچ میں فلاں جگہ نظر آ رہا ہے
لوگ اس کے اس کہنے پر اسی طرف دیکھنا شروع کر دیتے ہیں،
تا آنکہ وہ سب پکار اٹھتے ہیں۔ دیکھ لیا۔

بعینہٖ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم فداہ امی و ابی
نے اللہ اور اس کے جلووں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس کی
صفات اور احکامات کی نشاندہی فرما کر امتِ عامہ کو دعوت دی کہ:۔

"آؤ اے لوگو! میں تمھیں فلاح کا راستہ دکھاتا ہوں تاکہ تم دونوں جہانوں کی خوشیوں سے اپنا دامن بھر لو۔ اور دیکھو میں اللہ کی طرف سے بھیجا ہوا نبی ہوں۔"

ارشادِ ربانی ہے۔

(ترجمہ) "اور اے محبوبؐ ہم نے تمھیں سب لوگوں کے لئے رسول بنا کر بھیجا اور اللہ کافی ہے گواہ۔"

(۴/۷۹)

ربّ ذوالجلال رسالتِ رسولؐ کی گواہی دے رہے ہیں اس سے بڑھ کر کس کی گواہی ہوگی اور پھر ارشاد ہوتا ہے۔

(ترجمہ) "وہی ہے جس نے ان پڑھوں میں انہی میں سے ایک رسول بھیجا جو ان کے سامنے اس کی آیتیں پڑھتے ہیں اور انھیں پاک کرتے ہیں اور انھیں کتاب اور حکمت کا علم عطا فرماتے ہیں اور بے شک وہ اس سے پہلے ضرور کھلی گمراہی میں تھے۔ اور ان میں سے اوروں کو پاک کرتے اور علم عطا فرماتے

ہیں جو ان اگلوں سے نہ ملے اور وہی عزت و حکمت والا ہے۔" (۶۲/۳-۲)

تشریح:۔ یعنی جس کے نسب و شرافت کو وہ اچھی طرح جانتے پہچانتے ہیں اور ان کا نام پاک محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ اور صفت نبی اُمّی ہے اور یہ آپ کی فضیلت تھی۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم لکھتے اور کتاب سے کچھ پڑھتے نہ تھے کہ غایت حضور علم سے اس کی حاجت نہ تھی۔ خط ایک صنعتِ انسانیہ ہے جو آلہ جسمانیہ سے صادر ہوتی ہے تو جو ذات ایسی ہو کہ قلم اعلیٰ اس کے زیرِ فرمان ہو اس کو کتابت کی کیا ضرورت، پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کتابت نہ فرمانا اور کتابت کا ماہر ہونا یہ معجزہ عظیمہ ہے۔ کاتبوں کو علمِ خط اور رسمِ کتابت کی تعلیم فرماتے۔

اور اہلِ حرفتوں کو حرفتوں کی تعلیم دیتے اور کمالِ دنیوی و اخروی میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو تمام خلق سے افضل و اعلم کیا۔

"اور انھیں پاک کرتے ہیں"۔ یعنی ان لوگوں کو عقائدِ باطلہ اخلاقِ رذیلہ و خباثت، جاہلیت اور قبائح اعمال سے پاک

کرتے اور" انھیں کتاب اور حکمت کا علم عطا فرماتے ہیں"۔ کتاب کے معنی قرآن اور حکمت سے مراد احکامِ شریعت اور اسرارِ طریقت سے مستفیض فرماتے ہیں۔

اور" ان میں سے اوروں کو پاک کرتے" یعنی وہ تمام لوگ جو قیامت تک اسلام میں داخل ہوں ان کو پاک کرتے ہیں۔

" جو ان اگلوں سے نہ ملے" یعنی ان کا زمانہ نہ پایا۔ ان کے بعد آئے۔ ان کو بھی علم و حکمت عطا فرماتے ہیں۔

معلوم ہوا آپ صلی اللہ علیہ وسلّم ہی چشمۂ معرفت ہیں اور قیامت تک عرفانِ رب آپؐ ہی سے ملتا ہے گا اور مل بھی کہاں سے سکتا ہے۔ کیونکہ ربّ العالمین نے خود ہی تو فرمادیا ہے کہ:

(ترجمہ) "بے شک تمھیں رسول اللہ کی پیروی بہتر ہے

اس کے لئے کہ اللہ اور پچھلے دن کی امید

رکھتا ہو اور وہ خدا کا ذکر کثرت سے کرتا ہو۔

(۳۳/۲۱)

اخیر میں اسی سلسلے میں حدیثِ رسولؐ پیش کرنا چاہوں گا۔

ترجمہ حدیثِ رسولؐ:۔

ابراہیم بن منذر، بن مالک، بن شہاب، محمد بن

جبیر بن مطعم حضرت جبیرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا

"میرے پانچ نام ہیں میں ہوں محمدؐ اور میں

احمد ہوں میں محو کرنے والا ماحی ہوں کہ

خدا تعالیٰ میرے ذریعے سے کفر مٹاتا ہے

اور حاشر ہوں کہ قیامت کے دن سب لوگ

میرے قدموں پر اٹھائے جائیں گے اور

عاقب ہوں کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا"۔

(حدیث صحیح بخاری شریف جلد دوم باب ۴۹۲)

حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم (فداہ امّی و ابی)

(ش) ہر جا جلوہ فرما

(ج) متصف بالنور

قرآنِ حکیم میں ارشاد ہوتا ہے:۔

(آیت ترجمہ) (۱) "اے غیب کی خبریں بتانے والے (یعنی نبیؐ)

بے شک ہم نے تمھیں بھیجا حاضر و ناظر

اور خوشخبری دیتا اور ڈر سناتا"۔

(۲) "اور اللہ کی طرف بلانے والا ساتھ اس کے